31

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

16 تا 22 اگست 2007ء / 2 تا 8 شعبان المعظم 1428ھ

www.tanzeem.org

داعی کا پہلا وصف

داعی کے شخصی اوصاف میں پہلا اور بنیادی وصف یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ہر شخص اپنے نفس سے لڑ کر پہلے اِسے مسلمان اور اللہ کا مطیع فرمان بنائے۔ یہ وہی بات ہے جسے حدیث میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

﴿المجاهد من جاهد نفسه فى طاعة الله﴾

''حقیقی مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے کشمکش کرے''

یعنی قبل اس کے کہ آپ باہر کی دنیا میں اللہ کے باغیوں سے مقابلہ کے لیے نکلیں۔ اس باغی کو مطیع بنائیے جو خود آپ کے اندر موجود ہے، اور اللہ کے قانون اور اس کی رضا کے خلاف چلنے کے لیے ہر وقت تقاضا کرتا رہتا ہے۔ اگر یہ باغی آپ کے اندر پل رہا ہے، اور آپ پر اتنا قابو یافتہ ہے کہ آپ سے رضائے الٰہی کے خلاف اپنے مطالبے منوا سکتا ہے تو یہ ایک بالکل بے معنی بات ہے کہ آپ بیرونی باغیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کریں۔ یہ تو بالکل وہی بات ہوئی کہ گھر میں شراب کی بوتل پڑی ہے اور باہر شرابیوں سے لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ تضاد ہماری تحریک کے لیے تباہ کن ہے۔ پہلے خود اللہ کے آگے سر جھکائیے، پھر دوسروں سے اطاعت کا مطالبہ کیجیے۔

سامانِ سفر
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اس شمارے میں

آزادی اور جشن آزادی
بقا کا راستہ
اسلام، پاکستان اور امریکی عزائم
تقسیم ہند کا اصل سبب کون؟
سیکولرازم کے خلاف دستوری کاوشیں
لال مسجد کا سانحہ: ایک قابل توجہ پہلو
یہ تاریخ تو ابھی کل کی ہے
کیا آزادی کا یہی مطلب ہے؟
تنظیم اسلامی کی سرگرمیاں
عالم اسلام

سورۃ الانعام
(آیات: 16تا19)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرَّحیم

﴿مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾﴾

''جس شخص سے اُس روز عذاب ٹال دیا گیا، اُس پر اللہ نے (بڑی) مہربانی فرمائی۔ اور یہ کھلی کامیابی ہے۔ اور اگر اللہ تم کو کوئی سختی پہنچائے تو اس کے سوا اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر نعمت (اور راحت) عطا کرے تو (کوئی اُس کو روکنے والا نہیں) وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ دانا اور خبردار ہے۔ ان سے پوچھو کہ سب سے بڑھ کر (قرین انصاف) کس کی شہادت ہے۔ کہہ دو کہ اللہ ہی مجھ میں اور تم میں گواہ ہے۔ اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے اُس کو آگاہ کردوں۔ کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں۔ (اے محمد ﷺ) کہہ دو کہ میں تو (ایسی) شہادت نہیں دیتا۔ کہہ دو کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور جن کو تم لوگ شریک بناتے ہو، میں اُن سے بےزار ہوں۔''

جس شخص سے اُس دن کا عذاب دور رکھا گیا، اس پر تو اللہ کی بڑی رحمت ہوئی اور وہی حقیقی کامیابی ہوگی۔ دنیا کی بڑی سے بڑی کامیابیاں دولت، اقتدار، شہرت، عزت اور وجاہت یہ سب عارضی اور فانی ہیں۔ اصل کامیابی تو اُس جہان کی کامیابی ہے اور وہی فوز عظیم ہے۔

اب توحید کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر تمہیں اللہ کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچا دی جائے تو اللہ کے سوا کوئی اُس کو دور کرنے والا نہیں۔ پس تکلیف میں پکارو تو اُسی کو پکارو، کسی اور کو نہ پکارو۔ وہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔ تمہاری سب تکلیفوں کو رفع کرنے والا وہی ہے۔ اور اگر اُس کی طرف سے تمہیں کوئی خیر پہنچا دی جائے تو یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی اس کا ہاتھ روکنے والا نہیں۔ وہ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو اُسے کسی اور سے Sanction نہیں لینی ہوتی۔

وہ اپنے بندوں پر پوری طرح اختیار رکھتا ہے۔ اُس کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے قابو سے باہر نہیں اور وہ کمال حکمت والا اور ہر شے کی خبر رکھنے والا ہے۔

اے نبی! ان سے پوچھئے، کس کی گواہی سب سے بڑی ہے۔ آپ خود ہی کہہ دیجئے کہ اللہ کی گواہی سب سے بڑی ہے۔ وہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اور میری جانب یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں اور ہر اُس شخص کو خبردار کردوں جس تک یہ پہنچے۔ پہلے ذکر ہوا کہ حسی معجزہ تو ہم نہیں دکھائیں گے کہ یہی ہماری حکمت کا تقاضا ہے۔ لیکن اصل معجزہ یہ قرآن ہے۔ اس کے اندر یہ صلاحیت اور تاثیر ہے کہ طالب ہدایت اور حق کے متلاشی کو یہ ضرور ہدایت دیتا ہے۔ البتہ جس کے دل میں کجی ہے، تعصب، ضد، ہٹ دھرمی اور تکبر ہے، اُسے آپ لاکھ معجزے دکھائیں، وہ نہیں مانے گا۔ دیکھ لیجئے، حضرت عیسیٰؑ نے علمائے یہود کو کیسے کیسے معجزے دکھائے۔ مردے کو زندہ کیا، مٹی سے بنے پرندے میں پھونک ماری تو وہ اڑتا ہوا پرندہ ہوگیا وغیرھم۔ تو کیا وہ معجزات دیکھ کر ایمان لائے؟ یہ احیاءِ موتیٰ، خلق حیات وہ چیزیں ہیں جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں، مگر ان کے باوجود کتنے لوگ تھے جنہوں نے مانا۔ پس اے پیغمبر آپؐ اس قرآن کے ذریعے محنت کرتے جایئے، یہاں " مَنْۢ بَلَغَ " کے الفاظ غور طلب ہیں۔ یعنی میں تو قرآن تمہیں پہنچا رہا ہوں، اب یہ تمہارا فرض ہے کہ تم دوسرے لوگوں تک پہنچاؤ اور پھر اُن کا فرض ہے کہ وہ بعد میں آنے والوں تک اسے پہنچائیں اور سلسلہ تا قیام قیامت چلتا رہے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ صرف اپنے ہی زمانے کے لئے رسول بن کر نہیں آئے تھے، بلکہ آپؐ کی رسالت کا دور تو چل رہا ہے اور قیامت تک چلے گا۔ قیامت تک جو شخص بھی دنیا میں آئے گا وہ آپؐ کی امت دعوت میں شامل ہے۔ اسے قرآن کا پیغام پہنچانا امت محمدیہ ﷺ کی ذمہ داری ہے۔

کیا واقعی تم لوگ گواہی دیتے ہو اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہے؟ آپؐ کہہ دیجئے، تم گواہی دیتے ہو، دیتے رہو، میں تو ایسی خلاف عقل اور خلاف فطرت بات نہیں کہہ سکتا۔ آپؐ کہہ دیجئے، وہ تو ایک ہی الٰہ ہے۔ اور میں اُن چیزوں سے بری ہوں، جنہیں تم شریک ٹھہرا رہے ہو۔

فرمان نبویؐ

قرض دینے کی فضیلت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((دَخَلَ رَجُلٌ الْجَنَّةَ فَرَاٰى عَلٰى بَابِهَا مَكْتُوْبًا اَلصَّدَقَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَالْقَرْضُ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ))

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی جنت میں داخل ہوا تو اس نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ صدقہ کا اجر و ثواب دس گنا ہے اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا۔''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایوب بیگ مرزا

آزادی اور جشنِ آزادی

عوام کے ہاتھوں میں کھلونے دینا، اُنہیں مختلف طریقوں سے بہلانا حکمرانوں کا پرانا شیوہ ہے، تاکہ عوام اُن کی ناکامیوں پر توجہ مرکوز نہ کرسکیں۔ پرانے زمانے میں میلے اور سرکس منعقد کرکے یہ مقصد حاصل کیا جاتا تھا۔ لیکن انقلاب فرانس کے بعد جب دنیا خصوصاً یورپ جمہوریت کی راہ پر گامزن ہوا تو حکمرانوں کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ عوام کی خدمت اور اُن کی بہبود کے لیے کام کیے بغیر اپنی حکومتیں قائم رکھ سکیں۔ لیکن بدقسمتی سے پاکستان میں اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ اگرچہ پاکستان میں جمہوریت کی بے حرمتی خود سیاست دان بھی کرتے رہے لیکن ایوب خان نے بنیادی جمہوریت، ضیاء الحق نے غیر جماعتی جمہوریت اور پرویز مشرف نے حقیقی جمہوریت کے نام سے جمہوریت کی ایسی مٹی پلید کی کہ ماضی کیا مستقبل بھی شاید اس کی نظیر پیش نہ کرسکے۔ بدصورت اور بدنما بندوبست حکومت کو قابلِ قبول بنانے اور اصل حقائق سے توجہ ہٹانے کے لیے یہ غاصب حکمران مختلف انداز اپناتے رہے ہیں اور اپنا رہے ہیں۔ ایک انداز یہ بھی ہے کہ جشن آزادی کے نام پر بے ہنگم شور، ناچ گانے اور دھمال چوکڑی سے ایسا سماں باندھ دو کہ عوام کی توجہ اصل مسائل سے ہٹ جائے، حکومت کی ناکامی اور نااہلی پس منظر میں چلی جائے۔ بیہودگی اور لغویات میں ملوث ہوکر انسان بے حس ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان موٹر سائیکلوں کے سائلنسر نکال کر مساجد اور ہسپتالوں کے آگے سے گزرنے میں بھی حرج محسوس نہیں کرتے۔ یہ بے حسی غاصب اور ظالم حکمران کی بہت بڑی ضرورت ہے۔

نائن الیون کے بعد صدر پرویز مشرف کو شدت سے ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ قوم کو بتائیں بلکہ یقین دلائیں کہ ہم ایک آزاد قوم ہیں۔ لہٰذا اب ہر ماہ اگست میں ڈھول پیٹ پیٹ کر لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ ہم آزادی حاصل کرچکے ہیں، شاید اُن کا اپنا اعتماد متزلزل ہوچکا ہے۔ ایک ٹیلی فون کال پر ہمسایہ ملک کی دوست حکومت کو دشمن بنالینا یا داخلی سطح پر طے شدہ ایمرجنسی کے پروگرام کو یکدم منسوخ کرنے کے بعد حکمرانوں کو خود اپنے آپ کو سمجھانے کی ضرورت تھی کہ ہم ایک آزاد قوم ہیں اور ہم اپنے فیصلے خود کرتے ہیں۔ لہٰذا اس مرتبہ میڈیا پر جشن آزادی کا بڑا ڈھنڈورا پیٹا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حکومت اور میڈیا اپنی بھرپور کوشش کے باوجود اِس مرتبہ جشن میں عوام کو اپنا ہمنوا نہ بنا سکا۔ عوام کافی حد تک لاتعلق رہے۔ جس کی وجہ سے جشن آزادی پھیکا رہا۔ ہماری رائے میں اِس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ اِس مصنوعی پن سے تنگ آ چکے ہیں۔ جھوٹ، فریب اور جعلسازی کے عارضی اثرات بالآخر ختم ہوجاتے ہیں اور حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ حکمرانوں کو کون سمجھائے کہ زوردار انداز سے جشن آزادی منا کر حقیقی آزادی حاصل نہیں ہوسکتی۔ آزادی قوت ایمانی سے حاصل ہوتی ہے۔ آزادی درست سمت میں سعی وجہد سے حاصل ہوتی ہے۔ آزادی قائم ودائم رکھنے کے لیے آزادی حاصل کرنے سے زیادہ جذبہ قربانی اور ایثار کی ضرورت ہوتی ہے۔ آزادی کے لیے ذاتی مفادات کو اجتماعی اور قومی مفادات پر قربان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں ریاست ایک آزاد ریاست ہے تو اِس سے ہماری مراد کیا ہوتی ہے۔ ہماری رائے میں وہ ریاست آزاد ریاست کہلائے گی جو سیاسی اور اقتصادی فیصلے کرتے وقت صرف اور صرف اپنی ریاست کے مفاد کو مدنظر رکھے اور کسی دوسری قوت کو اِس میں مداخلت کی اجازت نہ دے۔ تہذیبی لحاظ سے اپنے ملک کے عوام کی تہذیب اور روایات کو دوسری تہذیبوں پر ترجیح دے۔ البتہ ایک اسلامی آزاد ریاست اپنے یہ تمام حقوق قرآن اور سنت کی بالادستی کے ساتھ اور اِس کے دائرے کے اندر رہ کر استعمال کرے گی۔ یہ بات انتہائی اذیت ناک ہے کہ 1947ء سے پہلے ہم تہذیبی اور ذہنی لحاظ سے مغرب اور ہندو کے اتنے غلام نہیں تھے جتنے آج ہیں۔ ہمارا لباس ہماری بودوباش، ہمارا طرزِ فکر، ہماری غلامانہ روش اور ذہنیت اِس کا کھلا ثبوت ہے۔

ایک بات اور یاد رہنی چاہیے کہ ہم نے یہ آزادی اسلام کے نام پر حاصل کی تھی۔ اسلام نہ رہا (باقی صفحہ 16 پر)

"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر"

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 16 — شمارہ 31
16 تا 22 اگست 2007ء
2 تا 8 شعبان المعظم 1428ھ

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک........250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

مسجدِ قرطبہ

(ہسپانیہ کی سرزمین بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

(تیسرا بند)

تیرا جلال و جمال، مردِ خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل، تو بھی جلیل و جمیل

تیری بنا پایدار، تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجومِ نخیل!

تیرے در و بام پر وادیٔ ایمن کا نور
تیرا منارِ بلند جلوہ گہِ جبرئیل

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں، کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سِرّ کلیمؑ و خلیلؑ

اس کی زمیں بے حدود، اس کا افق بے ثُغور
اس کے سمندر کی موج، دجلہ و دینوب و نیل!

اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
عہدِ کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل!

ساقیٔ اربابِ ذوق، فارسِ میدانِ شوق
بادہ ہے اس کا رحیق، تیغ ہے اس کی اصیل!

مردِ سپاہی ہے وہ، اس کی زرہ لَآ اِلٰہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لَآ اِلٰہ

(جاری ہے)

1۔ اقبال نے گزشتہ بند کے اشعار کے پس منظر کے حوالے سے اِس بند کے اشعار میں مسجد قرطبہ سے براہِ راست خطاب کیا ہے۔ فرماتے ہیں: اے مسجد قرطبہ! تیری شانِ جلال و جمال اس بات کا ثبوت ہے کہ تجھے کسی مردِ مومن نے تعمیر کیا تھا۔ نیز جس طرح تُو جلیل و جمیل ہے، اسی طرح وہ بھی صاحبِ جلال و جمال تھا۔ ایک اور تشریح یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اے مسجد قرطبہ! تجھ میں بھی وہی جلال و جمال موجود ہے جو معبودِ حقیقی کے نزدیک ایک پسندیدہ نڈر، بے باک اور سالک شخص میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ جس طرح وہ شان و شوکت والا اور صاحبِ حسن و جمال ہوتا ہے، تیرے پیکر میں بھی یہی خصوصیات موجود ہیں۔

2۔ نخیل کے معنی ہیں، کھجور کا درخت۔ اے مسجد قرطبہ! تیری بنیادیں مستحکم ہیں اور تیرے ستون بھی بے شمار ہیں (ویسے مسجد قرطبہ میں 1417 ستون ہیں)۔ یہ ستون اِس طرح سے ایستادہ ہیں جیسے صحرائے شام میں کھجوروں کے درخت کھڑے ہوں۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود یہ ستون اُسی طرح قائم و دائم ہیں۔ یہ ماہرین تعمیرات کا کمال ہے، جنہوں نے تیری نادرروزگار عمارت کی تکمیل میں اپنی تمام ترفنی صلاحیتوں اور مہارت سے کام لیا۔

3۔ اے مسجد قرطبہ! یُوں لگتا ہے کہ تیرے دروازوں اور چھتوں پر نُور برس رہا ہے۔ اور تیرا یہ مینار (جو ایک سو بیس فٹ بلند ہے) جبرئیل کی جلوہ گاہ معلوم ہوتا ہے، یعنی اس پر برکاتِ سماوی کا نزول ہوتا ہے۔

4۔ مسجد قرطبہ کی خوبیاں بیان کرنے کے بعد اقبال کا ذہن مسلمانوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ایک نئے جذبے اور جوش کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ خواہ کتنے ہی مراحل سے گزرے، اسے کوئی طوفان فنا نہیں کرسکتا، اس لیے کہ اس کے جان نثاروں نے تو اپنی اذانوں کے ذریعے اُن رازوں کو بے نقاب کر دیا تھا، جن کا تعلق حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ اور حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ جیسے جلیل القدر پیغمبروں سے تھا۔ مراد یہ ہے کہ مسلمانوں نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی تعلیمات کو سمجھا اور اسے عالمی سطح پر وسعت دینے میں بے حد کارِنمایاں انجام دیئے۔

5۔ (ثُغور ثغر کی جمع ہے مُراد سرحدیں)۔ مسلمانوں نے اپنے عہد اقتدار میں دنیائے اسلام کو جو وسعت دی، اُس کی حدود کا تعین مشکل ہے، حتیٰ کہ اس کا افق بھی اِس نوع کی حد بندیوں سے آزاد ہے، اور دجلہ، ڈینیوب اور نیل جیسے دریا تو اس کے وسیع و عریض سمندر کی محض لہریں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے وطن کی کوئی حدود نہیں، بلکہ دیکھا جائے تو کرۂ ارض کا ہر خطہ اور ہر گوشہ اِس کا وطن ہے (دجلہ عراق میں ہے جس کے کنارے شہر بغداد آباد ہے۔ نیل مصر کا دریا ہے۔ ڈینیوب جنوبی جرمنی سے نکلتا ہے۔ آسٹریا، ہنگری اور رومانیہ سے گزرتا ہے، خلافتِ عثمانیہ کی سرحدیں ڈینیوب کے آگے تک پھیلی ہوئی تھیں۔)

6۔ رحیل کے لغوی معنی ہیں کوچ۔ مسلمانوں کی ملی تاریخ حیرت انگیز کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے زمانۂ عروج میں، دنیا کے تمام علوم وفنون میں اس قدر ترقی کی تھی کہ دنیا کی تاریخ میں نئے دور کا آغاز ہُوا۔

7۔ اگرچہ مسلمان اپنے عہدِ عروج میں، ساری دنیا پر اپنی سطوت کا سکہ جما چکے تھے، لیکن وہ موجودہ گئی گزری حالت میں بھی محبت اور شجاعت میں کسی قوم سے کم نہیں ہیں۔ آج بھی دنیا کو درسِ وفا دے سکتے ہیں۔ آج بھی فی سبیل اللہ سر کٹانے کا جذبہ اُن میں موجود ہے۔ آج بھی وہ عشقِ رسول ﷺ کی دولت سے مالا مال ہیں۔ اُن کی شرابِ محبت میں آج بھی وہی تیزی ہے، اور اُن کی تلوار آج بھی جوہر دار ہے اور دین کے دشمنوں کی سرکوبی کرسکتی ہے (فارس کا مطلب ہے شہسوار، اور رحیق کے لغوی معنی ہیں فشردہ۔ مُراد ہے خالص یا تیز)

8۔ مسلمان موجودہ دورِ انحطاط میں بھی اپنے اندر سپاہیانہ اوصاف رکھتے ہیں اور توحیدِ الٰہی کی پاسداری کی خاطر سربکف ہوسکتے ہیں۔

بقا کا راستہ

امریکہ زمین پر سول سپریم پاور ہی سہی، مگر کائنات کی سب سے بڑی طاقت تو اللہ تعالیٰ کی ہے، اصل قوت واختیار اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرلیں، اور اُس کے دین کا جھنڈا تھام لیں تو ہمیں وہ قوت حاصل ہوگی کہ امریکہ اور اُس کے حواری ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 3 اگست 2007ء کے خطبۂ جمعہ کی تلخیص

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! ملک آج جس ناگفتہ بہ صورتحال سے دوچار ہے، اس میں دین وملت کا درد رکھنے والا ہر شخص فکرمند ہے۔ وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وطن عزیز اپنی تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہا ہے۔ داخلی اور خارجی سطح پر ہم سخت خطرات میں گھر چکے ہیں۔ ملک کے اندر خانہ جنگی کی سی کیفیت ہے۔ فوج اور سرکاری مشینری پر حملے ہو رہے ہیں۔ یہ امر واضح ہے کہ یہ سب کچھ دراصل لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف بہیمانہ آپریشن کا ردعمل ہے۔ اہل دانش اس ردعمل کے حوالے سے حکمرانوں کو روزِ اوّل سے متنبہ کر رہے تھے، مگر افسوس کہ حکومت نے کسی بات کو درخور اعتنا نہ جانا، اور نہتے طلبہ و طالبات کے خلاف طاقت کا وحشیانہ استعمال کیا۔ یہ بات انتہائی افسوسناک ہے کہ فوج کو جو کہ محترم ادارہ سمجھا جاتا ہے، قوم سے لڑایا جا رہا ہے، اور عوامی سطح پر حکمرانوں کی عاقبت نااندیشانہ پالیسیوں کے سبب اُس کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔ حالات کی یہ سنگینی حد درجہ خطرناک ہے، کیونکہ اس سے دشمن فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

صدر مشرف کا خیال تھا کہ لال مسجد آپریشن سے وہ امریکہ کی نگاہ میں اور زیادہ معتبر قرار پائیں گے، اور نتیجتاً اقتدار پر اُن کی گرفت پہلے سے زیادہ مضبوط ہوجائے گی، مگر اُن کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ فوجی آپریشن کے حوالے سے پورے ملک میں اُن پر شدید تنقید کی گئی، اور اُن کی ساکھ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اِس کا ایک مظہر وکلاء برادری کی جانب سے وہ عوامی ریفرنڈم ہے، جو انہوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور پرویز مشرف کے درمیان کرایا۔ اس کے نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر مشرف ڈالے گئے ووٹوں میں ایک فی ہزار ووٹ بھی حاصل نہ کر سکے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صدر مشرف اپنی اِس کمزور پوزیشن کے سبب اب یقینی طور پر پاکستان کے لئے سیکیورٹی رسک بن چکے ہیں۔ اور اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ وہ اپنے اقتدار کے تحفظ اور تسلسل کے لئے کوئی ایسا قدم نہ اٹھالیں کہ جو ملک کے لئے شدید نقصان کا باعث ہو۔ ایسا کرنا اس لئے بھی قرین قیاس ہے کہ انہوں نے حال ہی میں بے نظیر بھٹو کے سامنے جا کر ناک رگڑی ہے، اور شراکت اقتدار کی غرض سے اُن سے ابوظہبی میں ملاقات کی، حالانکہ کل تک وہ اُن کا نام بھی انتہائی تحقیر آمیز انداز سے لیا کرتے تھے، اور اُن کی کرپشن کے خلاف مقدمات کی تیاری پر انہوں نے قوم کے کروڑوں روپے ضائع کئے۔ اب ایک ایسا شخص جو اپنا طنطنہ بھول کر، اپنی حریف کے قدموں میں جا بیٹھے، اور ناقابل بیان ذلت ورسوائی گوارا کرلے، کیا وہ اپنے اقتدار کے لئے کوئی بھی تباہ کن قدم اُٹھانے سے گریز کرے گا۔

> **نجات کا راستہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کریں۔ امریکہ کو صاف بتا دیا جائے تم ہمارے دین، ہمارے نظام زندگی کے دشمن ہو، تمہاری جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں، ہمارے ایمان وعقیدہ اور طرز زندگی کے خلاف ہے۔ ہم تمہارا مزید ساتھ نہیں دے سکتے**

جنرل پرویز مشرف کے جرائم اور زیادتیوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اِس کا آغاز تو افغان پالیسی پر یوٹرن سے ہوتا ہے، جب انہوں نے طالبان کی اسلامی حکومت کے خاتمے کے لئے اسلام دشمن طاقتوں کا ساتھ دیا، جس کے نتیجے میں امارت اسلامیہ افغانستان کا سقوط ہوا، لیکن حال ہی میں دو جرائم اُن سے ایسے سرزد ہوئے، جو عرش کو ہلا دینے والے تھے۔

اِن میں سے ایک تحفظ حقوق نسواں بل کی منظوری ہے، جس سے حدود آرڈیننس کی روح کو تبدیل کر دیا گیا۔ اِس بل کے متعلق تمام مکاتب فکر کے علماء کرام نے یہ قرار دیا کہ یہ غیر اسلامی اور غیر شرعی ہے، مگر صدر مشرف اور اُن کے حواری اِس بات پر مصر تھے کہ یہ بل اسلامی ہے اور قرآن و سنت کی تعلیمات کے عین مطابق ہے، اور اِسے منظور کرالیا گیا۔ دیکھئے، اگر کوئی شخص اسلام کا انکار کرے تو یہ یقیناً جرم ہے، لیکن اگر کوئی شخص قرآن وسنت کے منافی قانون بنائے اور اُسے عین شرعی اور اسلامی بھی قرار دے تو یہ جرم عظیم ہے اور حد درجہ ڈھٹائی کی بات ہے اور یہی جرم صدر مشرف اور اُس کی حکومت نے کیا ہے۔ یہ گویا خدائی اختیار اپنے ہاتھ میں رکھنے والی بات ہے۔ یہ اِس بات کا اعلان ہے کہ ہم خود (نعوذ باللہ) اللہ کے مقام پر کھڑے ہیں، ہم جو چاہیں قانون بنائیں، ہمیں کوئی روکنے والا نہیں۔ دوسرا جرم عظیم جس کا ارتکاب کیا گیا، وہ لال مسجد انتظامیہ کے خلاف فوجی آپریشن ہے، جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

ہم سمجھتے کہ انہی جرائم کے سبب وطن عزیز شدید خطرے میں ہے، ہمارا مستقبل بہت مخدوش نظر آ رہا ہے۔ امریکہ کی جانب سے اپنے مکروہ عزائم کا کھلم کھلا اظہار ہونے لگا ہے۔ لال مسجد آپریشن کے وقت تو امریکہ نے صدر مشرف کی پیٹھ ٹھونکی تھی کہ تم نے انتہا پسندوں کے خلاف کارروائی کر کے ایک اچھا قدم اُٹھایا ہے، لیکن ابھی اِن بیانات کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ 'Do more' کا حکم آ گیا، کہا گیا کہ کام ابھی ختم نہیں ہوا، ہمارے دشمن تمہارے قبائلی علاقوں میں چھپے ہیں، اُن کے خلاف آپریشن کرو، اور یہ دھمکی بھی دی گئی کہ ہم قبائلی علاقوں میں آپریشن کا حق محفوظ رکھتے ہیں، ہم جب چاہیں گے وہاں خود کارروائی کریں گے۔ اگرچہ بعدازاں ایسے بیانات کی تردید بھی آ جاتی ہے، لیکن امریکہ کے عزائم تو ظاہر ہو بھی جاتے ہیں۔ اب ڈیموکریٹک پارٹی کے صدارتی امیدوار باراک اوباما کا جو بیان آیا ہے وہ تو اور بھی چشم کشا ہے۔ اُس نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ برسرِ اقتدار آ کر پاکستان

پر حملہ کروں گا۔ ایک اور صدارتی امیدوار نے یہ کہہ کر اُن کی تائید کی ہے کہ دہشت گردی کی حمایت کرنے والے ملک کے خلاف کارروائی ہماری گزشتہ چار سالہ خارجہ پالیسی کا حصہ ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ البتہ بقول اُس کے اوباما کو میڈیا پر یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔

امریکہ کی تمام تر وفاداری کے باوجود اگر ہم آج خطرات سے دوچار ہیں، تو ہم پر یہ محاورہ بالکل صادق آتا ہے کہ سو جوتوں سے بچنے کے لئے سو پیاز کھائے تھے، مگر اب سو جوتے بھی کھانے پڑ رہے ہیں، چنانچہ نائن الیون کے بعد ہم نے امریکہ کا اس لئے ساتھ دیا تھا کہ کہیں ہمارا تورا بورا نہ بنا دے۔ ہم اُس کے تمام احکامات مانتے رہے۔ اُس کی ڈکٹیشن پر نظریۂ پاکستان کے خلاف اقدامات کئے۔ نصاب تعلیم سے جہاد و قتال کے اسباق کو نکالا۔ جہاد جسے کل تک سپورٹ کرتے رہے، اب اُسے دہشت گردی قرار دیا۔ دینی اقدار کو مٹاتے رہے۔ اپنے قومی ہیرو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو قربانی کا بکرا بنایا۔ ملک کے اندر سیکولرازم اور مغربی ثقافت کو فروغ دیا، مگر تمام تر 'نیاز مندی' باوجود صاف دکھائی دیتا ہے کہ سو پیاز کھانے کے بعد سو جوتے ہمارے منتظر ہیں اور خطرہ کی تلوار بدستور ہمارے سروں پر لٹک رہی ہے۔

صدر مشرف کے غلط اقدامات خاص طور پر لال مسجد آپریشن کے حوالے سے دینی فرقوں اور عناصر نے جو کردار ادا کیا، وہ بھی انتہائی شرمناک ہے، دیوبندی مکتب فکر کے علماء نے تو یہ کہا کہ لال مسجد انتظامیہ کے مطالبات جائز ہیں، البتہ طریقہ کار غلط ہے۔ لیکن دوسری جانب اہلحدیث اور بریلوی حضرات نے لال مسجد انتظامیہ کی کھل کر مخالفت کی۔ یہاں تک کہا گیا کہ انہوں نے حکومتی رٹ کو چیلنج کیا ہے۔ ان کے خلاف سخت ایکشن لیا جائے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ یہ لوگ اس نازک موقع پر بھی فرقہ وارانہ اور مسلکی بغض و عناد اور گروہی مفادات کے حصار میں گھرے رہے، اور اس سے باہر نہ آسکے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم آج جس صورتحال سے دوچار ہیں، یہ ہمارے اجتماعی جرائم کی سزا ہے، جس میں پوری قوم شریک ہے، کوئی بھی طبقہ اس سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت بھی یہی ہے کہ وہ کسی ایک فرد کے جرم کی سزا پوری قوم کو نہیں دیتا، بلکہ جب بحیثیت مجموعی قوم میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، تو تب اللہ کا عذاب آتا ہے اور قوم زوال کا شکار ہوتی ہے۔

حضرات! آج پوری دنیا میں مسلمانوں کے گرد قافیہ حیات تنگ کیا جارہا ہے۔ اس کا ایک پہلو تو نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ ہے، جو امریکہ نے شروع کر رکھی ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کی تحریک مزاحمت کو ہرگز دہشت گردی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر دنیا میں کہیں خودکش حملے ہو رہے ہیں تو یہ بیرونی جارحیت کا ردعمل ہیں، جو مظلوم اور جارحیت کا شکار مسلمان آخری حربے کے طور پر کر رہے ہیں، اگر بیرونی عوامل کار فرما نہ ہوں، اور مسلمانوں پر جارحیت نہ کی جائے تو یہ ردعمل خود بخود ختم ہوسکتا ہے۔ صدر مشرف نے بھی ابتدائی دنوں میں یہ موقف اختیار کیا تھا کہ دہشت گردی کے اسباب کو دیکھا جانا چاہیے کہ لوگ آخر کیوں انتہائی اقدام پر اُتر آتے ہیں، مگر بعد میں انہوں نے امریکہ کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ دہشت گرد تو وہ طاقتیں ہیں جنہوں نے اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے اور اُن پر یلغار کر رہی ہیں، نہ کہ وہ لوگ جو اس کی مزاحمت کر رہے ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اسرائیل کی بدترین ریاستی دہشت گردی سے نہ صرف چشم پوشی کی جائے، بلکہ اُسے سپورٹ کیا جائے اور مظلوم فلسطینیوں کے ردعمل کو دہشت گردی کا نام دیا جائے۔ افغانستان اور عراق پر امریکی جارحیت پر دنیا مہر بلب ہو، مگر حریت پسندوں کو انتہا پسند اور دہشت گرد کے القاب دیئے جائیں۔ امریکہ اور اُس کے حلیفوں کا یہی وہ دوہرا معیار ہے، جس نے مسلمانوں کے دلوں میں اُن سے نفرت پیدا کی ہے..... تحریک مزاحمت سے وابستہ لوگوں کے علاوہ امریکی دہشت گردی کا شکار وہ مسلمان ہیں جو اسلام کے سیاسی کردار کی بات کرتے ہیں، جو اسلام کو ایک مذہب نہیں، بلکہ دین اور ایک مکمل نظام زندگی سمجھتے ہیں، اور اُس کے غلبہ و نفاذ کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ ان لوگوں پر بھی دہشت گرد ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے، اور اُن کے خلاف امریکہ منظم طریقے سے جنگ لڑ رہا ہے، جو کئی محاذوں پر جاری ہے۔

نام نہاد دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کا ہدف اب تک تو اسلامی تحریک مزاحمت اور اسلام کی

پریس ریلیز 3 اگست 2007ء

''عالم اسلام میں موجودہ بے چینی کا اصل سبب اسرائیل کی ناانصافیاں اور امریکہ کی دوغلی پالیسی ہے۔''

حافظ عاکف سعید

امریکی صدارتی امیدوار کا مکہ اور مدینہ پر حملے کا بیان عالم اسلام کے زخموں پر نمک چھڑکنے کی ایک کوشش ہے، لیکن فرعون وقت کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ اس قسم کے بیانات اور اقدامات کا مقصد مسلمانوں کو اذیت دینا ہے، جیسا کہ پہلے قرآن حکیم کی بے حرمتی، خاکوں کی اشاعت اور ملعون رشدی کو سر کا خطاب دے کر مسلمانوں کو صدمات پہنچائے گئے۔ دراصل یہ سب نائن الیون کے بعد عافیت کوشی کی راہ اختیار کرنے اور اللہ کے دین سے بے وفائی کی سزا ہے۔ نائن الیون کے بعد امریکہ اور مغرب نے دہشت گردی کے خاتمے کے نام سے جو مہم شروع کی وہ حقیقتاً اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دہشت گردی کے اسباب ختم کرنے کی بجائے آئے روز اس کی تعریف بدلتے رہتے ہیں۔ لہٰذا کچھ عرصہ قبل لاس ویگاس میں ہونے والے ایک اجلاس میں کہا گیا کہ جو مسلمان قرآن کو مانتا ہے وہ کتنا ہی سیکولر ہو، دہشت گرد ہے اور اس سے ہماری جنگ ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ عالم اسلام میں موجودہ بے چینی کا اصل سبب اسرائیل کی ناانصافیاں اور امریکہ کی دوغلی پالیسی ہے۔ جبکہ مظلوموں کی طرف سے اس ظلم پر جو ردعمل ہے اسے دہشت گردی کہا جارہا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ مسلمانوں کا قافیہ حیات مزید تنگ کرنے کے لیے نئی منصوبہ بندیاں کی جارہی ہیں۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ اب ہمارے سوچنے کا مقام یہ ہے کہ ان حالات کو کیسے بدلا جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مظاہروں سے حالات نہیں بدلیں گے، بلکہ اگر ہم نے اپنی روش تبدیل نہ کی تو ایسے مزید صدمات برداشت کرنا ہوں گے۔ دراصل کائنات کی اصل قوت و طاقت اللہ کی ذات ہے۔ ہم نے اسے چھوڑا تو اس نے بھی ہمیں چھوڑ دیا اور آج ہم بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ کی مدد تو ہے ہی مسلمانوں کے لیے، اگر ہم اب بھی ایمان کے تقاضے کے پورے کر دیں اور اللہ کے وفادار بن جائیں تو اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہوگی، پھر دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

نشاۃ ثانیہ سے وابستہ عناصر تھے۔ بالفاظ دیگر امریکہ اور اُس کے حلیف اب تک اُن مسلمانوں سے برسر پیکار تھے جو کفریہ جارح طاقتوں کے خلاف مسلح جدوجہد کر رہے تھے، یا وہ لوگ جو اسلامی ریاست کے قیام کے لئے کوشاں تھے، رہ گئے وہ لوگ جو سیکولر خیالات رکھتے ہیں، اُن سے یہ لوگ صرف نظر کئے ہوئے تھے۔ مگر حال ہی میں دہشت گردی کی تعریف میں علانیہ طور پر اُن تمام لوگوں کو شامل کرلیا گیا ہے جو قرآن حکیم کو الہامی کتاب مانتے ہیں۔ امریکہ کی نگاہ میں اب ہر وہ شخص دہشت گرد ہے جو قرآن کو اللہ کی کتاب مانتا ہے۔ اور چونکہ یہ ہر مسلمان کے عقیدہ و ایمان کا حصہ ہے، لہٰذا آج ہر مسلمان دہشت گرد ہے۔ معروف صحافی حامد میر نے کچھ عرصہ پہلے اپنے ایک کالم میں لاس ویگاس میں ہونے والی ایک عالمی کانفرنس کا تذکرہ کیا، وہ لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر پال ولیمز نے اپنی ایک نئی کتاب میں رابرٹ اسپنسر کے حوالے سے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نہ تو روشن خیال ہے اور نہ ہی ماڈریٹ ہے بلکہ وہ تمام مسلمان جو قرآن پر یقین رکھتے ہیں وہ سب کے سب ''جہادی'' ہیں۔ انہوں نے دلیل یہ پیش کی کہ وہ مسلمان جو آج کے دور میں یہود و نصاریٰ کے خلاف جہاد کے حامی ہیں' انہیں بنیاد پرست یا انتہا پسند کہا جاتا ہے اور جو مسلمان ان بنیاد پرستوں کی حمایت نہیں کرتے' انہیں روشن خیال سمجھا جاتا ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ڈاکٹر پال ولیمز کے خیال میں وہ مسلمان جو آج جہاد کے حامی نہیں ہیں وہ دراصل طاقتور بننے کے بعد جہاد شروع کرنا چاہتے ہیں' کیونکہ جہاد کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے اور اسی لئے ڈاکٹر پال بھی رابرٹ اسپنسر کی طرح یہ سمجھتے ہیں کہ روشن خیال اور ماڈریٹ مسلمان صرف وہ کہلا سکتا ہے جو قرآن کو جھٹلائے۔ رابرٹ اسپنسر نے اس کانفرنس میں بار بار میری طرف اشارہ کرکے کہا کہ جو مسلمان قرآن کو جھٹلانے کی ہمت نہیں رکھتا، اسے روشن خیال تسلیم نہیں کیا جا سکتا، جس پر مجھے کہنا پڑا کہ میں تم سے روشن خیالی کا سرٹیفکیٹ لینے کے لئے قرآن کو جھٹلانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا اور اگر تم مجھے انتہا پسند سمجھتے ہو تو سمجھتے رہو۔''

اس کا مطلب واضح ہے کہ جب تک کوئی شخص قرآن کا انکار نہ کرے، امریکہ اُس سے راضی نہ ہوگا اور یہ وہ بات ہے، جو ہرگز ہمارے لئے انکشاف کا درجہ نہیں رکھتی۔ قرآن حکیم نے روز اول سے جہاں یہ بتا دیا تھا، کہ یہود و نصاریٰ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے، وہاں اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا تھا کہ

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى
حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ
الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ
جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ
وَّلَا نَصِيْرٍ (البقرہ)

''اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی۔ یہاں تک کہ اُن کے مذہب کی پیروی اختیار کرلو۔ (اُن سے) کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت (یعنی دینِ اسلام) ہی ہدایت ہے۔ اور اگر تم اپنے پاس علم (یعنی وحی اللہ) کے آ جانے پر بھی اُن کی خواہشوں پر چلو گے تو تم کو (عذاب) اللہ سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مددگار۔''

مسلمانوں کے لئے اسلام کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔ اب اُن کے سامنے دو راستے ہیں یا تو وہ قرآن کو جھٹلا کر دین سے منحرف ہو جائیں، اسلام کو ترک کر دیں اور یہ جہنم کو لے جانے والی راہ ہے اور دوسرا اور اصل راستہ جو نجات کا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کا جھنڈا تھام لیں۔ امریکہ اور اُس کے حلیفوں کو صاف بتا دیا جائے تم ہمارے دین، ہمارے نظام زندگی کے دشمن ہو، تمہاری جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں، ہمارے ایمان و عقیدہ اور طرز زندگی کے خلاف ہے۔ ہم تمہارا مزید ساتھ نہیں دے سکتے۔ ہم تمہاری خوشنودی کے لیے نہ تو قرآن و سنت کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسلامی تعلیمات سے انحراف کر سکتے ہیں۔ ایمانی حقائق اسی کے متقاضی ہیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو زمینی حقائق کے حوالے سے ہمارے لئے موجودہ زبوں حالی اور امریکہ کی محکومی اور غلامی سے نجات کی اور کوئی صورت نہیں۔ عالمی طاقتیں اسلام کے خلاف متحد ہو چکی ہیں، دشمن تو ہمیں یہی راستہ دکھا رہا ہے کہ ہم اُس (امریکہ) کی بلاچوں و چراں اطاعت کریں۔ وہ جو بات کہے، اِسے فوراً تسلیم کرلیں، اُس کے ایک سے بڑھ کر ایک مطالبے کو مانتے چلے جائیں، ہمارے ہاں بھی بعض لوگ مادی پیمانوں پر تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امریکہ کی فوج، جدید ٹیکنالوجی، خوفناک جنگی ہتھیاروں اور اسلحہ کے مقابلے میں ہم کمزور پوزیشن میں ہیں، لہٰذا اُس کے سامنے اُف تک نہیں کرنی چاہیے۔ زمینی حقائق کے حوالے سے اگرچہ یہ بات کسی حد تک درست بھی ہے، مگر یہ سوچ اور یہ راہ ذلت و رسوائی کی ہے۔ عزت و وقار کا راستہ یہ ہے کہ ہم ایمانی حقائق پر نگاہ کریں۔ امریکہ سول سپریم پاور ہی سہی مگر کائنات کی سب سے بڑی طاقت تو اللہ تعالیٰ کی ہے، وہی کارخانہ موجودات کا مالک ہے۔ کون و مکان اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہی زمین و آسمان کا خالق و مالک ہے۔ ہمارے لئے نجات کا راستہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ سورۃ الزاریات میں فرمایا گیا:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ
وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ
وَمِنْ كُلِّ شَىْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُوْنَ ۞ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّىْ لَكُمْ
مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ
اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞

''اور آسمانوں کو ہم ہی نے ہاتھوں سے بنایا اور ہم کو سب مقدور ہے۔ اور زمین کو ہم ہی نے بچھایا تو (دیکھو) ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں۔ اور ہر چیز کی ہم نے دو قسمیں بنائیں، تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ تو (لوگو) اللہ کی طرف بھاگ چلو۔ میں اُس کی طرف سے تم کو صریح رستہ بتانے والا ہوں۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ۔ میں اُس کی طرف سے تم کو صریح رستہ بتانے والا ہوں۔''

ذرا غور کرو اللہ تعالیٰ کی صفت خلاقی پر، جس نے آسمان کو بنایا، اور اُسے مزید توسیع دے رہا ہے، جس نے زمین کو انسان کے لئے بچھونا بنایا۔ اللہ ہی نے سورج اور اُس کا نظام تخلیق کیا، کہکشائیں بنائیں۔ کہکشاں کے مقابلے میں سورج کی اور سورج کے مقابلے میں زمین کی کیا حیثیت ہے۔ جب وسیع و عریض کائنات کے مقابلے میں زمین کی حیثیت ذرے کے برابر ہی نہیں تو زمین اور اُس کی سپریم پاور اللہ کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہیں، یہ تمام طاقتیں بودی اور کمزور ہیں، خواہ سپریم پاور ہی کیوں نہ کہلائیں۔ اصل طاقت اور اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ہمارا اصل سہارا ہے۔ اگر ہم اُسے راضی کرلیں، تو یقیناً اُس کی نصرت ہمارے شامل حال ہوگی اور پھر ہم پر کوئی غالب نہ آ سکے گا۔ اگر ہم اُس کے دین کا جھنڈا تھام لیں، اُس کی سربلندی کے لئے کوشاں ہو جائیں، اللہ کی وفاداری کو شیوہ بنالیں تو ہمیں وہ قوت حاصل ہوگی کہ امریکہ اور اُس کے حواری ہمارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ لیکن اگر ہم سرکشی اور طغیانی کے راستے پر چلتے رہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمارے جرائم اور بے وفائیوں کے سبب ذلیل و رسوا کرنے کا فیصلہ کرلیا تو پھر کوئی سہارا اور طاقت بھی ہمیں ذلت و مسکنت کے عذاب سے نہ بچا سکے گی۔ قرآن حکیم میں جابجا یہی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا:

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ
يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞

''اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں۔''

اگر ہم اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ آئیں تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم قعر مذلت میں پڑے رہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞
(آل عمران)

''اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔''

اسلام' پاکستان اور امریکی عزائم

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ
بانی تنظیم اسلامی

دنیا کی سب سے بڑی صلیبی ریاست کے عام انتخابات میں ری پبلکن پارٹی کے صدارتی امیدوار ٹام ٹینکریڈو نے اعلان کیا ہے کہ امریکہ پر دہشت گردوں کے امکانی ایٹمی حملوں کو روکنے کا واحد راستہ ہے کہ مسلمانوں کے مقدس ترین شہروں مکہ اور مدینہ پر جوابی حملہ کیا جائے۔ ٹام ٹینکریڈو نے مزید ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ صدر منتخب ہوگئے تو وہ خود فیصلہ کریں گے کہ مسلمانوں کے مقدس مقامات کو کس طرح نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کے شدید ردعمل کے باوجود امریکی صدارتی امیدوار اپنے صلیبی مؤقف پر ڈٹا ہوا ہے۔ ٹام ٹینکریڈو کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ اس نے 2005ء میں بھی مسلمانوں کے مقدس مقامات پر قبضہ کی ناپاک تجویز پیش کی تھی۔ یہ ہرزہ سرانہ خیالات دنیا کے سب سے زیادہ "متمدن"، "باشعور"، "روادار"، "روشن خیال" اور "شاندار جمہوری روایات" کے حامل ملک کے صدارتی امیدوار کے ہیں مگر ان خیالات کے بارے میں کسی بھی امریکی نے نہیں کہا کہ یہ انتہا پسندانہ ہیں۔ ان ہرزہ سرانہ خیالات کے بعد بھی ہمارے ہاں کے مغرب نواز دانشور اب بھی کسی تہذیبی جنگ کے امکان کو نظرانداز کرتے ہیں تو ان کا اللہ ہی حافظ ہے۔

ٹام ٹینکریڈو نے جن خیالات کا برملا اظہار کیا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ وہی خیالات ہیں جن کو ملفوف انداز میں جارج ڈبلیو بش کئی برس سے پیش کررہا ہے اور عمل پیرا بھی ہے۔ ٹام ٹینکریڈو اور جارج ڈبلیو بش میں بس فرق اتنا ہے جس کا اظہار اس شعر میں ہوا ہے کہ ؎

نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں
فقیہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

امریکی صدارتی امیدوار کے خیالات پر پوری دنیا میں ردعمل کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ مگر ہم لوگ اس چیز کو کیوں نظرانداز کررہے ہیں کہ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ پر بلاواسطہ حملہ ہوچکا ہے۔ مثلاً افغانستان، عراق، لبنان، فلسطین، سوڈان، صومالیہ اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات کی کئی مساجد کو امریکی طیاروں کے بموں اور میزائلوں نے شہید کیا ہے اور یہ مسجدیں بھی تو کعبہ کی بیٹیاں تھیں اور بیٹیوں پر حملہ کعبہ پر حملہ کے مترادف ہے۔ امریکہ کی لے پالک ریاست اسرائیل نے کئی مرتبہ مسجد اقصیٰ کو جلانے اور اس کی بنیادوں کو کھودنے کا جرم عظیم کیا ہے مگر اسرائیلی یہودیوں کی یہ انتہا پسندی اور دہشت گردی کسی کو نظر نہیں آتی۔ امریکہ کے ایٹمی دوست بھارت میں بنیاد پرست ہندوؤں نے تاریخی بابری مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجادی مگر اس کے لئے کسی جانب سے دہشت گردی کا "فتویٰ" نہ آیا۔

ان مثالوں کے بعد امریکہ اور اس کے حلیف ممالک کی جنگ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ قرار دینا جنت الحمقا میں رہنے کے مترادف ہے۔ یہ جنگ اسلام اور اسلامی تہذیب کے خلاف جنگ ہے۔ یہی وجہ ہے صدر امریکہ پوری

> ملعون سلمان رشدی کے "سر" کے خطاب کے مسئلے اور اب مکہ اور مدینہ پر حملے کے امریکی بیانات کے ردعمل پر حکومتی عہدیداروں کے بیانات سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ "مشرفانہ روشن خیالی" محض دھوکہ ہے۔ عوام الناس میں تو اس کا وجود سرے سے ہی نہیں ہے اور حکومتی ٹولے میں بھی اس کی خاطر خواہ پذیرائی نہیں

دنیا میں دہائی دے رہا ہے کہ دنیا میں کوئی تہذیب غالب نہیں ہوسکتی، غلبہ صرف اور صرف ہماری تہذیب کو ہوگا کیونکہ ہماری تہذیب Real way of life ہے، لہٰذا We are sovereign یعنی ہم حاکم ہیں ماضی میں یہی فرعون کا نعرہ تھا۔ اس کا کہنا بھی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام ہمارے نظام زندگی کو تباہ کرنے کے درپے ہیں اور یہ دونوں ہماری فرعونی تہذیب کے لئے خطرہ ہیں۔ فرعون کے بعد بش بھی اپنی تہذیب کے دوام اور بقاء کے بارے میں پُرامید ہے۔ اس کیفیت کا اظہار علامہ محمد اقبال نے اپنی شہرہ آفاق نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں ان الفاظ میں کیا ہے کہ ؎

کیا امامانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بناسکتی ہے میری ایک ہو
کارگاہ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و سبو

امریکہ اور اس کے حواری پوری قوت کے ساتھ "اشک سحرگاہی سے وضو" کرنے والے اور خال خال نظر آنے والے بنیاد پرستوں کو کچلنا چاہتے ہیں کیونکہ اُن کو معلوم ہے کہ یہ لوگ دنیا میں نظام اسلام، حکومت الٰہیہ، نظام مصطفیٰ ﷺ یا نظام خلافت کو دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہیں اور یہ نظام ہمارے سرمایہ دارانہ سیکولر نظام کو چیلنج کرتا ہے۔ لہٰذا ان کے تھنک ٹینکس کی پوری توجہ اور سوچ بچار کا محور بھی صرف اور صرف مسلمان ممالک ہیں اور وہ اپنی شیطانی تدبیروں کے ذریعے مسلمان معاشروں کو مذہبی، اخلاقی، سماجی غرض ہر بنیاد پر تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک امریکی تھنک ٹینک رینڈ کارپوریشن نے کچھ عرصہ قبل ایک رپورٹ مرتب کی تھی جو ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے جس میں مسلمان معاشرے میں چار قسم کے مسلمانوں کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کی پہلی قسم انقلابی یا بنیاد پرستوں (Fundamentalist) پر مشتمل ہے، دوسری قسم میں روایتی مسلمان یعنی جو محض نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو کل دین تصور کرتے ہیں، تیسری قسم کے مسلمان تجدد پسند ہیں یعنی وہ لوگ جو من مانی تعبیرات کرکے اسلام کو جدید رنگ میں ڈھالنا چاہتے ہیں اور آج کل ایسے طرزعمل کے حامل افراد کو الیکٹرانک میڈیا سکالرز بنا کر پیش کررہا ہے اور موجودہ حالات میں میڈیا پر ان کا قبضہ ہے اور حکومتی سپورٹ بھی ان کو حاصل ہے۔ تیسری قسم سیکولر مسلمانوں پر مشتمل ہے یعنی جو دین کو انفرادی معاملہ سمجھتے ہیں اور ریاست کے معاملات میں کسی دین اور مذہب کے عمل دخل کے کھلم کھلا مخالف ہیں، ان کے نزدیک دین نجی معاملہ ہے۔ لہٰذا اس رپورٹ کے مطابق تجدد پسند اور سیکولر مسلمان تو امریکہ کے معاون اور مددگار ہیں اور روایتی مسلمانوں کی اکثریت کسی سیاسی یا معاشی نظام کا تصور نہیں رکھتی، لہٰذا انہیں اگر کوئی خطرہ ہے تو انقلابی اور بنیاد پرست مسلمانوں سے ہے اور ان کے خیال میں ایسے مسلمانوں کی تیاری کے مراکز مسجدیں اور مدارس ہیں۔ لہٰذا امریکہ نے نائن الیون کے یہودی ڈرامے کے بعد مساجد اور دینی مدارس اور ان سے وابستہ مسلمانوں کو اپنا ہدف قرار دیا ہے۔

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

شرع پیغمبر کے آشکارا ہونے کے خوف سے امریکہ اور اس کے حلیف ممالک پوری قوت اور لاؤلشکر کے ساتھ مسلمانوں پر چڑھ دوڑے ہیں۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے صدارتی امیدوار بارک اوباما نے بھی ٹینکریڈو کے بیان سے ایک روز قبل ایک بیان داغا ہے کہ اگر وہ صدر منتخب

تقسیم ہند کا اصل سبب کون؟

اقبال نے ہمارا متحدہ ہندوستان کا خواب چکنا چور کر دیا

جیمز رامزے میکڈونلڈ، پرائم منسٹر برطانیہ

کیا اسلام کو جدیدیت کو اپنا لینا چاہیے یا اپنے بنیادی اصولوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے؟ دو ایسے مدارس کے درمیان جو اپنے قیام کے وقت جغرافیائی لحاظ سے چند میل کے فاصلہ پر تھے، دینی نظریات کی اس چیخ کو اس دور میں قابل اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ لیکن اگلے 100 برس میں یہ معمولی دراڑ اسلام کو دو باہم برسر پیکار نظریات میں تقسیم کرنے والی ایسی صدا تھی جس کی بازگشت آج تک دنیا میں گونج رہی ہے۔

اس معمولی چیخ کے ایک بحران کی صورت میں ظاہر ہونے سے پہلے مدرسہ دیوبند اور علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی آزادئ ہندوستان کے مشترکہ مقصد میں شریک تھے اور تعلیمی رجحانات کے اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے دونوں اداروں کے طلبہ اور عملہ بیسویں صدی کے ابتدائی دہائیوں میں برصغیر میں سامراجی حکومت کے خاتمہ کے لئے ہندوؤں کے ساتھ شامل تھے۔ لیکن قومیتی رجحانات اس کمزور اتحاد کی راہ میں حائل ہو گئے۔ ہندوستان جو مختلف ریاستوں کا ایک مجموعہ تھا اور مغل حکمرانوں کے تحت متحد ہو گیا تھا، برطانوی سامراج کے تحت تہذیبی اور مذہبی بنیادوں پر پارہ پارہ ہونے لگا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ایک ہر دلعزیز مسلمان شاعر اور مفکر نے جس کا نام محمد اقبال تھا، مستقبل کے آزاد ہندوستان میں مسلم اقلیت کی حیثیت کا سوال اٹھاتے ہوئے ایک اسلامی قومیتی نظریہ کی بنیاد رکھنا شروع کی۔

اقبال جنہیں کسی دور میں اپنی نظموں کی وجہ سے ہندو مسلم اتحاد کا پیامبر سمجھا جاتا تھا، یورپ میں وقوع پذیر ہونے والے یہودی انتشار عظیم (Diaspora) کے انجام کے بارے میں اب انتہائی متفکر نظر آنے لگے، کیونکہ ''اقبال نے عیسائی یورپ کی ثقافتی اکثریت میں یہودی وحدانیت کو پارہ پارہ ہوتے دیکھا تھا، اور انہیں یہ پریشانی لاحق تھی کہ مسلمانوں کا بھی یہی انجام ہوگا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں نے اپنی تہذیب کو ہندی قومیت کی بھینٹ چڑھا دیا تو آہستہ آہستہ وہ اس میں جذب ہوتے ہوئے معدوم ہو جائیں گے۔'' یہ بات پاکستان کے ادارہ مقتدرہ قومی زبان کے چیئرمین اور اقبال کی سیاسی فکر پر لکھی گئی ایک کتاب کے ایڈیٹر فتح محمد صاحب نے بیان کی۔

اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک جواس باختہ اجتماع کے سامنے 29 دسمبر 1930ء کو اس صورت حال کا یہ حل رکھا کہ شمال مغربی ہندوستان میں مسلم اکثریتی صوبوں پر مشتمل ایک آزاد ریاست ہو، ایک علیحدہ وطن جہاں مسلمانوں کا اپنا اقتدار ہو۔ اس تجویز کا ردعمل دھماکہ خیز تھا۔ اس وقت کا برطانوی وزیراعظم جیمز رامزے میکڈونلڈ (James Ramsay MacDonald) پکار اٹھا کہ متحدہ ہندوستان کے لئے ''ہماری تمام کاوشوں پر اقبال شاعر نے پانی پھیر دیا ہے۔'' اگلے ہی روز ٹائمز آف لندن (Times of London) کے اداریہ نے مشرق وسطیٰ، ایران، افغانستان اور روسی سلطنت کے سرحدی علاقوں پر مشتمل ایک متحدہ اسلامی سلطنت کے منصوبہ کا چرچا کیا۔ (ٹائم میگزین، 13 اگست 2007ء) (ترجمہ: شہرام اقبال)

ہو گئے تو عراق سے تمام فوجیں واپس بلا کر دہشت گردوں کی تلاش کے لئے پاکستان اور افغانستان بھیجیں گے۔

ری پبلک پارٹی اور ڈیموکریٹک پارٹی کے صدارتی امیدواروں کے بیانات اور صدر امریکہ کے وحشیانہ اقدامات کے بعد امریکی حاکمانہ سوچ کا صحیح صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

راقم متعدد مرتبہ عرض کر چکا ہے کہ سپر پاور امریکہ کے اعصاب پر یہود سوار ہیں اور امریکی سیاست اور سیاستدانوں پر ان کا ہی غلبہ ہے۔ یعنی ع ''فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے'' یہود اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور مسلمان ملکوں میں بھی وہ پاکستان کو کسی طور پر پھلتا پھولتا اور مستحکم نہیں دیکھنا چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ پاکستان کے ازلی دشمن ہندوستان سے جوہری معاہدے کرنے میں مصروف ہے اور پاکستانی حکمران اپنے اقتدار کے دوام کے لئے ''بلامعاوضہ'' امریکہ کے صلیبی لشکر کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں اور پاکستان کے بے وقعتی کی وجہ اسلام سے دوری ہے۔ ہمارا حال تو بقول اقبال یہ ہے کہ۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

ہماری کمزوری کی وجہ ہمارے یہی اجتماعی جرائم ہیں اور اس جرم ضعیفی کی سزا ہے کہ امریکہ کے صدارتی امیدوار بلاجھجک اور بلاخوف اسلام اور پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کر رہے ہیں۔

موجودہ ذلت کی صورت سے نکلنے کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اللہ کے احکامات کو نافذ کرنے کی کوشش کریں اور پاکستان کو اسلام کا گہوارہ بنا دیں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ذلت اور رسوائی کے مزید کوڑے ہماری پشت پر برستے رہیں گے۔ ویسے بھی امریکہ کی جھولی میں پکے ہوئے پھل کی طرح گر کر ہمارے حکمرانوں نے حاصل کیا کیا ہے؟ ہماری کیفیت تو یہ ہے کہ۔

خدا ہی ملا، نہ وصال صنم
ہم ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے!

اور فوری علاج وہی ہے جس کا اظہار اسمبلی کے فلور پر پارلیمانی سیکریٹری برائے دفاع تنویر حسین نے کیا ہے کہ امریکہ کو مزا چکھانے کا بہتر حل یہ ہے کہ طالبان کی حکومت کو تسلیم کر لیا جائے اور امریکہ سے دامن چھڑا کر روس، چین اور ایران سے اپنے تعلقات بہتر بنائے جائیں۔ اللہ کرے ایسا ہو اور پارلیمانی سیکریٹری برائے دفاع تنویر حسین اپنے خیالات پر بھی قائم رہیں اور ان کے یہ خیالات خلوص پر مبنی ہوں نہ کہ کوئی وقتی لہر۔ ملعون سلمان رشدی کے ''سر'' کے خطاب کے مسئلے اور اب مکہ اور مدینہ پر حملے کے امریکی بیانات کے ردعمل پر حکومتی عہدیداروں کے بیانات سے ایک اور بات ثابت ہوگئی ہے کہ ''مشرفانہ روشن خیالی'' محض دھوکہ ہے۔ عوام الناس میں تو اس کا وجود سرے سے ہی نہیں ہے اور حکومتی ٹولے میں بھی اس کی خاطر خواہ پذیرائی نہیں۔

سیکولرازم کے خلاف دستوری کاوشیں

سید قاسم محمود

مصطفیٰ کمال پاشا کی وفات کے بعد 10 نومبر 1938ء کو جنرل عصمت انونو ترکی جمہوریہ کے صدر منتخب ہوئے۔ وہ مصطفیٰ کمال کے پرانے دوست، جنگ بلقان اور پہلی جنگِ عظیم کے تجربہ کار سپاہی اور جمہوریہ ترکی کے پہلے وزیراعظم تھے۔ 11 نومبر 1938ء کو صدارت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد 1950ء تک وہی ملک کے سیاہ وسفید کے مالک رہے اور حکمران جماعت خلق فرقہ سی (رپبلیکن پیپلز پارٹی) کی بدترین آمریت اور مطلق العنانی قائم رہی۔ 1950ء کے عام انتخابات میں ملک کے 88 فیصد باشندوں نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا اور حزب مخالف ڈیموکریٹک پارٹی کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ ملک کے نئے صدر جلال بایار منتخب ہوئے اور وزیراعظم عدنان مندریس مقرر ہوئے، جنہوں نے ملک میں کچھ جمہوری قدروں کو بحال کیا، مساجد تعمیر کروائیں، عربی زبان اور اذان سے پابندی ہٹائی اور سکولوں میں دینی تعلیم کا انتظام کیا۔

مذہبی آزادی کی بحالی سے عدنان مندریس جلد ہی ترک عوام میں مقبول ہو گئے، لیکن مقبولیت کا اُلٹا اثر ہوا۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈر اور اُن کے وزراء مطلق العنان بن گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ پارٹی میں انتشار و افتراق شروع ہوگیا اور فوزی لُطفی عثمان اور اُن کے ساتھ اٹھارہ دیگر ارکان اسمبلی نے پارٹی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ دسمبر 1955ء میں انہوں نے ایک نئی جماعت ''حریت پارٹی'' قائم کر لی۔ پھر 22 اگست 1957ء کو متحدہ محاذ بنایا گیا، تاکہ ڈیموکریٹک پارٹی کا عام انتخابات میں مقابلہ کیا جائے۔ اس محاذ میں رپبلیکن پارٹی، جمہوری ملت پارٹی اور حُریت پارٹی، یعنی تین پارٹیاں شامل تھیں۔ 27 اکتوبر 1957ء کو انتخابات کرائے گئے، مگر حکومت کی دھاندلیوں کے سامنے متحدہ محاذ ناکام ہوگیا اور عدنان مندریس کی جماعت پھر برسر اقتدار آ گئی۔

ڈیموکریٹک پارٹی کے دوبارہ برسر اقتدار آنے کے بعد اُس کی آمریت اور اُس کے استبدادی رویے میں مزید اضافہ ہوا۔ داخلہ وخارجہ پالیسی میں تبدیلیاں آئیں۔ امریکی سرمایہ داروں کو ترکی میں سرمایہ لگانے کی چھوٹ مل گئی۔ مصنوعات کی درآمد پر کوئی پابندی نہ رہی اور مغربی ممالک کی مصنوعات سے ترکی بازار پٹ ہو گئے اور قومی معیشت کا ایسا زبردست خسارہ ہوا کہ ملک تقریباً پندرہ ارب ڈالر کا مقروض ہوگیا۔ تحریر وتقریر کی آزادی پر کڑی پابندی لگا دی گئی اور مصارف زندگی بہت بڑھ گئے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ قومی اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہونے سے حزب اختلاف کے رہنماؤں کو روک دیا گیا۔ چنانچہ اپریل 1960ء سے عوامی مظاہرے شروع ہوگئے۔ ہر طرف سے مندریس کے استعفے کا مطالبہ ہونے لگا۔ جلسوں اور جلوسوں پر قدغن لگانے کے لئے مارشل لاء لگا دیا گیا، مگر عوام کے مشتعل جذبات ٹھنڈے نہ ہوئے۔ چنانچہ جنرل جمال گرویسل کی قیادت میں 21 مئی 1960ء کو فوجی انقلاب برپا ہوگیا۔ صدر وزیراعظم اور دوسرے وزراء گرفتار کر لیے گئے اور ملک کا انتظام فوجی افسروں کی انجمن اتحاد وترقی کے ہاتھ میں چلا گیا جو 38 فوجی افسروں پر مشتمل تھی اور جس کے رہنما خود جنرل جمال گرویسل تھے۔ دوسرے دن 28 مئی 1960ء کو ایک عبوری حکومت تشکیل دی گئی، جس نے جنرل جمال گرویسل کو وزیراعظم اور فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کر دیا۔ جنرل گرویسل نے پارلیمنٹ کو برخاست کر کے تمام گرفتار کارکنوں اور اخباری نمائندوں کو رہا کر دیا اور تمام سیاسی پارٹیوں کو ممنوع قرار دیتے ہوئے اعلان کیا کہ فی الحال فوج نے ملکی انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور ایک کمیشن مقرر ہو چکا ہے جو ایک نیا عارضی دستور مرتب کرے گا جس کی منظوری کے بعد ملک میں عام انتخابات ہوں گے اور فوجی حکومت منتخب حکومت کے حق میں دست بردار ہو جائے گی۔

> 1961ء کے دستور کی تشکیل کا مقصد بظاہر ''ملک میں جمہوریت کو ترقی دینا تھا مگر درحقیقت ترکی سیاست کے دائرے سے ان تمام سیاسی پارٹیوں کو خارج کر دینا اور اُن کا مستقبل تاریک کر دینا مقصود تھا جو مصطفیٰ کمال کی سیکولرازم کی راہ سے انحراف کر رہی تھیں

1960ء کا عارضی دستور

اِس عارضی دستور کا اعلان 12 جنوری 1960ء کو کیا گیا اور فوجی انقلاب کے رہنما جنرل گرویسل کو نظم ونسق کے تمام اختیارات حاصل ہو گئے۔ وہ اب باقاعدہ ترکی کے ''صدرِ مملکت'' مقرر ہو گئے، اور مارچ 1966ء تک اس عہدے پر قابض رہے۔ اس دستور کے مطابق ''انجمن اتحاد قومی'' کو، جو ہنگامی حالات میں قائم ہوئی تھی، اُس وقت تک کے لیے مکمل اختیارات حاصل ہوئے، جب تک نئے انتخابات نہ ہو جائیں، اسے عارضی قوانین بنانے اور انہیں مشتہر کرنے کا حق حاصل ہُوا۔ انجمن کے صدر کو صدرِ مملکت اور فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ انجمن کو کابینہ کے ارکان کو برطرف کرنے اور صدر انجمن کو نئے ارکان کابینہ مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا۔ عارضی صدرِ مملکت کو انجمن کے بنائے ہوئے نئے عارضی قانون پر نظرثانی کرنے کا حق بھی دیا گیا۔ نیز یہ کہ انجمن کو ایک تحقیقاتی کمیشن اور ایک ہائیکورٹ کی تشکیل کا اختیار بھی دیا گیا، تاکہ سابق صدر، سابق وزیراعظم، سابق ارکان کابینہ اور دوسرے افسروں کے جرائم کی تحقیقات کی جا سکے اور اُن پر مقدمہ چلایا جا سکے۔ انجمن کو نئے عام انتخابات کرانے کا حق بھی دیا گیا، تاکہ ملکی اختیارات اسمبلی کو منتقل کر دینے کے بعد ''انجمن اتحادِ قومی'' کو توڑ دیا جائے۔

14 نومبر 1960ء کو انجمن اتحاد قومی (Committee of National Unity) سے چودہ فوجی افسروں کو نکال دیا گیا۔ عارضی دستور میں وعدہ کیا گیا تھا کہ جلد ہی نیا دستور تشکیل دیا جائے گا۔ اِس مقصد کے لیے 6 جنوری 1961ء کو دستور ساز اسمبلی کی تشکیل ہوئی اور نئے دستور پر بڑی تیزی سے کام کا آغاز کر دیا گیا اور چند ماہ کی مشقت کے بعد 27 مئی 1961ء کو دستور کی تکمیل ہوگئی۔

اس دستور کا مقصد بظاہر ''ملک میں جمہوریت کو ترقی دینا اور ایک ایسی قوم کی تشکیل وتعمیر کرنا تھا جو مہذب، خوشحال اور جمہوری ہو'' مگر درحقیقت ترکی سیاست کے دائرے سے ان تمام سیاسی پارٹیوں کو خارج کر دینا اور اُن کا مستقبل تاریک کر دینا مقصود تھا جو مصطفیٰ کمال کی سیکولرازم کی راہ سے انحراف کر رہی ہوں، اسی لیے نئے دستور کی دفعات میں سیاسی جماعتوں کے وجود وبقا کو جمہوریت کی ترقی کے لیے ناگزیر قرار دیا گیا، مگر ساتھ ہی انہیں دستوری عدالت کے

ذریعے تحلیل کر دینے کی تجویز بھی منظور کی گئی ''اگر وہ دستوری اور جمہوری اصولوں کی خلاف ورزی کریں''

یہ نیا دستور اپنی رُوح اور مزاج کے اعتبار سے 1924ء کے کمالی دستور سے ہم آہنگ تھا، بلکہ اتاترک کی سیکولرازم کے ساتھ مکمل وفاداری اور اُن پر یقینِ کامل کا اعلان تھا۔

1971ء کا دستور

1965ء کے عام انتخابات میں قومی اسمبلی کی تشکیل وتنظیم میں تبدیلی آگئی۔ نئی سیاسی جماعت ''جسٹس پارٹی'' نے اکثریت حاصل کر کے کابینہ تشکیل دی۔ 1971ء میں فوجی مداخلت کے سبب دوسالہ عارضی مدت کے لیے ایک نئی کابینہ تشکیل پائی۔ یہ کوئی باضابطہ مداخلت نہ تھی، بلکہ ایک طرح کا انتباہ تھا کہ اگر ملک میں امن وقانون کی بحالی نہ ہوئی اور سیکولرازم اور کمال ازم کا تحفظ نہ کیا گیا تو ملک کی باگ ڈور فوج اپنے ہاتھ میں لے لے گی۔ طے پایا کہ ایک معزز اور غیر متنازعہ شخص کو وزیراعظم کی حیثیت سے مقرر کیا جائے، لیکن فوج نے کسی شخص کا نام نہیں لیا، نہ کابینہ کی تشکیل کے لیے کوئی ہدایت جاری کی۔ انتخابات میں سلیمان ڈیمریل اور اُن کی جسٹس پارٹی نے کامیابی حاصل کی تھی، مگر انہوں نے صدرِ مملکت جودت ثنائی سے چھیڑ چھاڑ کرنے کے بعد استعفیٰ دے دیا اور اُن کی جانب سے 1973ء تک غیر پارٹی کابینہ کی کارکردگی کے خلاف کوئی چیلنج نہیں ہُوا، اسی لیے حکومت کی جانب سے یہ اعلان ہُوا کہ ملک اور جمہوریہ کے خلاف ایک مضبوط اور سرگرم بغاوت کا اندیشہ ہے'' اور اس اعلان کے خلاف کوئی عوامی ردِعمل سامنے نہ آیا تو مختلف صوبوں میں، جہاں امن وقانون کی صورتِ حال ابتر ہوگئی تھی، مارشل لاء لگا دیا گیا۔ نئے وزیراعظم نہت ارم نے اعلان کیا: ''مشرقی ترکی میں سبوتاژ، بغاوت اور علیحدگی پسند تحریک پرورش پا رہی ہے، متعدد گرفتاریاں ہوئیں، اور لیبر پارٹی کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔

20 ستمبر 1971ء کو دستور میں جو ترمیمات کی گئیں، اُن سے گویا ایک نیا دستور سامنے آیا، جس سے ملٹری کمانڈروں اور مسلح افواج کا نقطۂ نظر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملک میں کس طرح کا سیاسی استحکام لانا چاہتے ہیں۔ اس نئے دستور کے دو مقاصد تھے:

1۔ قومی وحدت، ملکی سالمیت اور امنِ عامہ کو درپیش خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے حکومت کے اختیارات میں توسیع کرنا۔

2۔ بڑی مہارت اور باریک بینی سے فوجی حکومت کو خودمختار اور آزاد بنانا۔

پہلے مقصد کے حصول کے لیے انتظامیہ کو مستحکم اور مضبوط بنایا گیا، تاکہ وہ اُن عناصر کے خلاف سخت کارروائی کرے، جو:

(ا) طبقہ، فرقہ، نسل، مذہب یا زبان کا استحصال کریں

(ب) قوم کو منقسم کرنے کی تدبیر کریں

(ج) قومی وحدت کے خلاف تشدد اور انتہاپسندی کا پرچار کریں

فوجی حکومت کو یہ اختیار بھی دیا گیا کہ وہ پارٹیوں، انجمنوں اور تنظیموں پر پابندی عائد کرسکتی ہے۔

کابینہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ پارلیمنٹ کی ہدایت پر امن وامان سے متعلق احکام نافذ کرسکتی ہے اور اس سلسلے میں نئے احکام بنا سکتی ہے۔ یونیورسٹیوں میں قدغن لگا سکتی ہے کہ وہ جرائم پیشہ اور سازشی عناصر کو تحفظ نہ دیں۔ حکومت ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو اپنے کنٹرول میں رکھ سکتی ہے۔ پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر مارشل لاء کی مدت میں توسیع کر سکتی ہے۔ کابینہ اکتوبر 1971ء میں ہونے والے عام انتخابات کو ملکی حالات کے پیشِ نظر اکتوبر 1973ء تک ملتوی کرسکتی ہے۔

اس دستور نے مسلح افواج کے اختیارات میں کافی اضافہ کر دیا۔ ایک نیا قانون منظور کر کے وزیرِ دفاع کے اختیارات کی بھی گنجائش نکال لی۔ نیشنل سیکیورٹی کونسل کو یہ حق مل گیا کہ وہ دفاعی امور کے علاوہ امورِ عامہ کے بارے میں بھی تجاویز وسفارشات کابینہ کو پیش کرسکتی ہے۔ عام شہریوں کے مقدمات فوجی عدالتوں میں پیش کرنے کے امکانات بڑھا دیے گئے۔ فوجی عملے کی تمام نقل وحرکت کی سرگرمیوں پر سول انتظامی عدالتوں کا حق واختیار ختم کر دیا گیا اور کورٹ مارشل کے ارکان کا درجہ اور رُتبہ بڑھا دیا گیا۔

1971ء کی اِن دستوری ترمیمات کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا، کیونکہ حکومت کی پالیسی پر فوج زیادہ اثرانداز نہ ہوسکی، یہاں تک دفاعی امور میں بھی حکومت کے فیصلے زیادہ تر آزادانہ رہے، اور سیاسی جماعتوں کی تنقید اور مخالفت بڑھتی گئی۔ وزیراعظم سلیمان ڈیمریل نے فوجی دخل اندازیوں پر تندوتیز حملے کیے اور فوجی حکمرانوں کے مفادات اور اُن کی نیت اور عزائم کی قلعی کھولی۔ علاوہ ازیں خود فوج کے سینئر کمانڈروں میں بھی چپقلش اور باہمی آویزش شروع ہوگئی اور نتیجے کے طور پر 28 مارچ 1973ء کو صدرِ مملکت جودت ثنائی کی مدت مکمل ہوئی تو سیاسی رہنماؤں اور فوجی کمانڈروں کے درمیان تصادم اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔

1973ء میں ترکی میں عام انتخاب ہوئے تو نتائج میں پھر ردوبدل ہوا۔ فوجی حکومت کی ریشہ دوانیوں اور دھاندلیوں کی وجہ سے ایک بار پھر ''ریپبلکن پارٹی'' برسرِاقتدار آگئی۔ اس کے بعد 1977ء میں عام انتخابات ہوئے اور 1980ء تک سلیمان ڈیمریل اور بولنت جاوید وزیراعظم کی حیثیت میں، باری باری ملک کی زمامِ اقتدار سنبھالے رہے اور جسٹس پارٹی کے تعاون سے ایڈمرل فہری کوروترک صدرِ مملکت کے منصب پر فائز رہے۔ 1980ء میں فوج نے پھر مداخلت کی۔ تمام سیاسی پارٹیوں کو معطل کر دیا اور دوسال تک فوج ہی ترکی عوام کی قسمت کی مالک رہی۔

1982ء میں ایک نیا دستور بنا اور نومبر 1983ء میں اس دستور کی بنیاد پر عام انتخابات کرائے گئے۔

1982ء کا دستور

ملک میں بڑھتی ہوئی لاقانونیت، تشدد، دہشت گردی اور امن وامان کی ابتری نے فوج کو برابر مضطرب رکھا۔ 1971ء کے بعد گیارہ صوبوں میں مارشل لاء کے نفاذ سے امن وامان کی صورتِ حال کچھ بہتر ہوئی تھی، مگر 1973ء کے انتخابات کے بعد سول حکومت قائم ہوئی تو سیاسی مجرم پھر دندنانے لگے اور مشرقی ترکی میں تشدد اور علیحدگی پسندی کے جو افراد اور طبقات روحِ رواں تھے، انہوں نے پھر عوامی حکومت سے فائدہ اٹھا کر سازشوں کا آغاز کر دیا۔ دسمبر 1977ء میں ایک ضلع میں زبردست نسلی فساد پھوٹ پڑا اور اس فرقہ وارانہ فساد میں بہت سے افراد جاں بحق ہوئے۔ اُدھر مخلوط حکومت کی تشکیل سے مذہبی عناصر نے ملک میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے راہیں ہموار کرنے کا کام شروع کر دیا جو فوج کے سیکولر اور کمال پرست مزاج کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ ملی سلامت پارٹی اور اُس کے رہنما پروفیسر نجم الدین اربکان نے حکومت میں شامل ہو کر تعلیمی اداروں میں اصلاحات کا جو پروگرام شروع کیا تھا اور خارجہ پالیسی میں تبدیلی کر کے اسلامی دنیا سے رابطہ قائم کرنے کی جدوجہد ہو رہی تھی، اُس کی زد مصطفیٰ کمال پاشا کے چھوڑے ہوئے لادین اور سیکولر اُصولوں پر پڑ رہی تھی۔

1980ء میں 30 اگست کی ''یومِ فتح'' کی تقریبات کے موقع پر ملی سلامت پارٹی کے رہنما مسلح افواج کے سربراہوں کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرنے کے لیے حاضر نہ ہوئے۔ 6 ستمبر 1980ء کو ٹیلی ویژن پر دکھائی جانے والی ایک فوجی تقریب میں، قومی ترانے کے وقت، پارٹی کے رہنما خاموش بیٹھے رہے، اور اس طرح سرکاری ترجمان کے مطابق انہوں نے ملک و قوم کی تذلیل کی۔ پھر اُس پر مستزاد یہ کہ 5 ستمبر 1980ء کو ''ملی سلامت پارٹی'' کے دباؤ میں وزیرِ خارجہ کو اسلامی کاز کا دفاع نہ کرسکنے کے جرم میں کابینہ سے برطرف کر دیا گیا۔ ان تمام حالات کے نتیجے میں 18 ستمبر 1980ء کو جنرل کنعان ایورن نے فوجی انقلاب برپا کر دیا اور تمام سیاسی جماعتوں کو معطل کر کے انہیں خلاف قانون قرار دے دیا۔

(جاری ہے)

لال مسجد کا سانحہ......ایک اہم قابلِ توجہ پہلو!

لطف الرحمٰن خان

کسی ثبوت اور صحیح اطلاع کے بغیر کسی پر الزام لگانے کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ اور میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے، اس لئے الزام تراشی کے لئے آج کل ''چھل کبڈی'' کا جو میچ ہو رہا ہے، اس میں شرکت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ معاملہ اب اللہ کی عدالت میں پہنچ چکا ہے۔ وہ فیصلہ کرے گا اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ البتہ اس سانحہ کے ایک مخصوص پہلو کے پس منظر اور پیش منظر پر بات کرنا مقصود ہے۔

9/11 کے واقعہ سے پہلے جب مسلمانوں کو بنیاد پرست اور انتہا پسند ہونے کا طعنہ تو دیا جاتا تھا لیکن ان پر ابھی دہشت گرد ہونے کا لیبل چسپاں نہیں کیا گیا تھا، اس وقت دینی مدارس کو ''مہذب'' دنیا میں ضم کرنے کی مہم کا آغاز ہو چکا تھا۔ بڑے منظم انداز میں اخبارات و رسائل میں مضامین اور خطوط شائع کئے جا رہے تھے، جن میں تنقید کا اصل نشانہ ان مدارس کا سلیبس تھا۔ چند لوگوں نے کھل کر لکھ دیا تھا کہ پاکستان میں جب تک دینی مدارس موجود ہیں، اس وقت تک پاکستان تہذیب یافتہ ممالک کی صف میں شامل نہیں ہو سکے گا۔ غالباً جرمنی نے یا شاید یورپی یونین نے دینی مدارس کی اصلاح کے لئے دو ارب یا دو کروڑ ڈالر کی امداد کا اعلان بھی کیا تھا۔ اس کے بعد یہ بات میرے علم میں نہیں آسکی کہ وہ امداد آئی تھی یا نہیں اور اگر آئی تھی تو کہاں خرچ ہوئی۔ پھر 9/11 کے واقعہ کے بعد دنیا کو یہ یقین دلانے کا آغاز ہوا کہ پاکستان کے تمام دینی مدارس اپنی تعلیم کے ذریعہ دہشت گرد پیدا کر رہے ہیں۔ نہ صرف وفاق المدارس کی طرف سے بلکہ پاکستان کی حکومت کی طرف سے بھی اس زہریلے پراپیگنڈے کا مؤثر دفاع کیا گیا لیکن پاکستان کا مغرب زدہ طبقہ اپنے آقاؤں کی لے میں لے ملانے سے باز نہیں آیا تھا۔

لال مسجد کا سانحہ اس طبقہ کے لئے ایک نعمت ثابت ہوا ہے۔ فی الحال سینہ گزٹ کے ذریعہ خبریں پھیلانے کا آغاز ہوا ہے اور غالب امکان یہ ہے کہ یہ مہم جلد ہی میڈیا پر آجائے گی۔ یقین دلایا جا رہا ہے کہ انتہا پسندی اور دہشت گردی کی نرسری دینی مدارس ہیں۔ سمجھایا جا رہا ہے کہ بچوں کی زندگی تباہ کرنے کے ذمہ داران کے وہ والدین ہیں جو انہیں دینی مدارس میں داخل کراتے ہیں۔ سوال کیا جا رہا ہے کہ آپ لوگ بچوں کی تعلیم کے لئے دینی مدارس کو پیسے دیتے ہیں یا اسلحہ خریدنے اور دہشت گردی کی تربیت گاہیں قائم کرنے کے لئے دیتے ہیں۔ اس طرح دینی مدارس کے منتظمین کی دیانت (Integrity) کو مجروح کیا جا رہا ہے۔ اس وقت یہ مہم کافی مؤثر نظر آ رہی ہے اور یہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ خدانخواستہ دینی مدارس کے زوال کا سنگ بنیاد اس کے چند نادان دوستوں کے ہاتھوں رکھا جا چکا ہے۔ خدا کرے کہ یہ اندیشہ غلط ثابت ہو، لیکن اگر صحیح ثابت ہوا تو برصغیر ہند و پاک میں ان مدارس کے عروج و زوال کی تاریخ لکھنے والے یہی لکھیں گے کہ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

ہمارے مغرب زدہ طبقے کی موجودہ مہم میں ان کی یہ حکمت عملی صاف نظر آ رہی ہے کہ مدارس کی ''اصلاح'' جب ہو گی تب ہو گی، فی الحال لال مسجد کو بنیاد بنا کر مدارس میں داخلوں اور ان کی عوامی مالی امداد کو محدود سے محدود تر کرتے چلے جاؤ تا کہ ان کا دائرۂ اثر سکڑنا شروع ہو جائے۔ اس طرح دم گھٹنے سے یہ مدارس اپنی موت آپ مر جائیں گے۔ یہ لوگ تسلیم کر رہے ہیں کہ اس میں وقت لگے گا۔ لیکن جس بات پر یہ لوگ اپنی بغلیں بجا رہے ہیں وہ یہ ہے کہ جیسے جیسے مدارس کا دائرۂ اثر محدود ہوتا جائے گا، ان کا اپنا وہ دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا جہاں ترقی اور جدیدیت کا برقعہ پہنا کر وہ مغرب کی بے حیا اور آبرو باختہ تہذیب کو فروغ دینے میں کامیاب ہوتے جائیں گے۔

اب نوٹ کریں کہ جھگڑے کی اصل جڑ یہ ہے۔ دینی مدارس نہیں بلکہ یہ تہذیبی تصادم انتہا پسندی اور دہشت گردی کی اصل نرسری ہے۔ ان کے تدارک کے لئے اس جڑ یعنی مغربی تہذیبی یلغار کو کھاڑنا ہوگا، ورنہ محض پتے جھاڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا اور سانحے ہوتے رہیں گے۔ انسدادِ دہشت گردی کے معاملے میں حکومت اگر واقعی سنجیدہ ہے تو اسے اس جڑ کو کاٹنا ہو گا۔ عریانی اور فحاشی کے خلاف قوانین موجود ہیں۔ ان کی پابندی کو یقینی بنانا ہوگا۔ فلمی سنسر بورڈ کے طرز پر یا تو ڈراموں اور اشتہارات کے لئے الگ سنسر بورڈ قائم کرنا ہوگا یا فلمی سنسر بورڈ کے دائرہ کار کو وسیع کرنا ہوگا۔ مساج، پارلر اور اس قسم کے دوسرے اڈوں پر پابندی عائد کرنے کے لئے قانون بنانا ہوگا۔ یہ ہوگا تو وہ فضا سازگار ہوگی جس میں اکثریت کی امنگوں کے مطابق پاکستانی تہذیب پروان چڑھے گی، خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ اگر یہ نہیں ہوگا تو طاقت کے بل بوتے پر انتہا پسندی کا تدارک ممکن نہیں ہے۔ یہ بڑی بچگانہ سوچ ہے کہ فوجی طاقت سے عوام کے جذبات کو کچلا جا سکتا ہے۔

معذرت خواہ ہوں کہ درمیان میں کچھ جملہ ہائے معترضہ آ گئے۔ میں بات یہ کر رہا تھا کہ مدارس کے حلقۂ اثر کو سکیڑنے کی کوشش کا از سرِ نو آغاز ہو چکا ہے اور اس مرتبہ یہ کوشش نسبتاً زیادہ مؤثر نظر آ رہی ہے۔ اس تناظر میں مجھے البلاغ فاؤنڈیشن کی طالبات کے تین خطوط یاد آ رہے ہیں جو مولانا عبدالعزیز صاحب کی گرفتاری سے 10-15 دن قبل وقفہ وقفہ سے موصول ہوئے تھے۔ تینوں کی تجویز یہ تھی کہ فاؤنڈیشن درسِ نظامی کا خط و کتابت کورس شروع کرے۔ ایک بچی نے لکھا تھا کہ اس نے اپنے والد کو بڑی مشکل سے راضی کیا تھا کہ o لیول کے امتحان کے بعد وہ اسے مدرسہ میں داخل کرا دیں گے لیکن اسلام آباد میں طالبات کی کارروائیوں کے بعد انہوں نے اجازت منسوخ کر دی ہے۔ اس وقت ان خطوط کو میں نے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی لیکن اب ان کی اہمیت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ درسِ نظامی کے خط و کتابت کورس کا اجراء ہماری ناگزیر ضرورت بن گئی ہے۔ لیکن البلاغ فاؤنڈیشن کے موجودہ ظروف و احوال میں ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اس کام کا آغاز کر سکیں۔ اس لئے میری یہ استدعا ہے کہ پاکستان کے مختلف شہروں میں کچھ لوگ آگے بڑھیں اور اس کام کا آغاز کریں۔

اس کام کا آغاز کرنے کے لئے ایک ادارے کے قیام کے علاوہ ضروری ہوگا کہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے طرز پر تدریس اور امتحان کا نظام وضع کیا جائے اور درسِ نظامی کے سلیبس میں مناسب رد و بدل کر کے اسے خط و کتابت کورس میں ڈھالا جائے۔ پھر وفاق المدارس سے اس کی منظوری حاصل کی جائے تا کہ ادارے کی سند کو وفاق المدارس تسلیم کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام کرنے کے لئے کسی مقامی عالم دین کی رہنمائی اور مشاورت ضروری ہوگی۔ لاہور میں رہائش پذیر اپنے اصحاب کی رہنمائی اور مشاورت کے لئے ایک عالم دین نے اپنی خدمات پیش کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے جن سے اس پتہ پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

اسکواڈرن لیڈر (ر) حافظ عزیز احمد
400-AA، ڈیفنس، لاہور کینٹ
فون: 5897477 موبائل: 0300-4593054
ای میل: shahid.stealth@gmail.com

یہ تاریخ تو ابھی کل کی ہے

اوریا مقبول جان

کیا یہ وہی لوگ ہیں جو زار روس کا تختہ الٹنے کے بعد بالشویک انقلاب کی طویل مدت میں کبھی لینن اور کبھی سٹالن اور کبھی برزنیف کا تختہ مشق بنتے رہے۔ وہ خطہ جہاں سے مسلمانوں کے علم اور حکمت کی داستانوں کا آغاز ہوا۔ جن قد آدم شخصیات پر مسلم امہ کو ناز ہے، وہ انہی خطوں کے روشن اور مہذب شہروں میں بیٹھ کر فلسفہ، حکمت، طب اور شاعری کی مشعلیں روشن کرتی رہیں۔ لینن کی پرولتاری آمریت کا نعرہ بلند ہوا تو ان سے سب سے پہلے ان کا ماضی چھیننے کی کوشش کی گئی۔ ان سب تذکروں کو ان کی زندگیوں سے کھرچ کر پھینک دیا گیا جو انہیں اپنے عہد گم گشتہ کی یاد دلاتا تھا۔ وہ تمام ہیرو جو نسل در نسل لوگوں کے دلوں میں منتقل ہوتے رہے، نہ ان کے نصاب میں نظر آتے تھے اور نہ ہی ان کی زندگی میں۔ تمام کتابیں اور تمام عجائب گھر ڈارون کی بندر سے انسان بننے کی تھیوری پر مشتمل تاریخ انسانی کے شواہد کی کڑیاں جوڑ کر ایک کہانی بیان کرتے تھے۔ مغربی زندگی کی اقدار، لباس اور آزاد خیال روشن دماغی نے ان کی نئی نسلوں کو اس زندگی میں یوں گم کر دیا تھا کہ شاید ہی کوئی مؤرخ، تبصرہ نگار یا تجزیہ کرنے والا یہ بات کہہ سکتا کہ یہ لوگ واپس اپنے ماضی کی جانب بھی لوٹ سکتے ہیں۔

گزشتہ دو روز سے تاجکستان کے دارالحکومت دوشنبے کے جس ہوٹل میں میں ٹھہرا ہوں، کبھی اس کا نام اکتوبر ہوٹل ہوا کرتا تھا۔ یہ اس انقلاب اکتوبر کی یاد میں رکھا گیا تھا جو 1917ء میں لینن نے مزدوروں یعنی پرولتاریہ کی آمریت کا نعرہ بلند کر کے برپا کیا تھا۔ آج اس ہوٹل میں نہ اس دور کی کوئی یادگار ہے نہ تذکرہ۔ ہوٹل کا نام اوستار رکھ دیا گیا۔ ہوٹل کے عقب میں ایک انتہائی وسیع وعریض جامع مسجد تعمیر کی گئی ہے، جس سے جمعے کے روز میں نے ٹوپیاں سروں پر پہنے ایک بڑی تعداد کو مسجد سے نکلتے دیکھا۔ یہ شہر کی سب سے بڑی اور خوبصورت شاہراہ ہے جس پر یہ ہوٹل، قصر صدارت، پارلیمنٹ اور وزارتوں کے دفاتر ہیں۔ اس پر بڑے بڑے چنار کے درخت ہیں اور بیچوں بیچ ایک وسیع پارک جس کے درمیان سیر کرنے والوں کے لئے ایک خوبصورت راستہ، دونوں جانب ٹریفک رواں دواں اور درمیان میں انسان محو سیر، اس سڑک کا نام کبھی شاہراہ لینن ہوتا تھا۔ آج اس کا نام فردوسی سے پہلے فارسی زبان کے عظیم شاعر ابوعبداللہ رودکی کے نام پر رودکی سٹریٹ ہے۔ عین قصر صدارت کے سامنے وسیع وعریض چوراہے میں آسمان کو چھوتا ہوا لینن کا مجسمہ ہوتا تھا۔ اب یہ مجسمہ ریلوے سٹیشن کے ایک گودام میں گرد آلود حالت میں پڑا ہے اور وہاں پر فارسی تاجک حکومت قائم کرنے والے اسماعیل سامانی کا مجسمہ ہے، وہ شخص جس نے ہرات سے سمرقند، بخارا اور مشہد تک تاجک حکومت قائم کی تھی۔ وہ لوگ جو کبھی روبل اپنی جیبوں میں رکھتے تھے، اب ان کی کرنسی اسی شخص کے نام پر سمونی ہے۔

مطلق العنان حکمران کو ایک ہی سبق یاد ہوتا ہے۔ اسلحے کے ڈھیر اور چاق و چوبند فوج ملک بچا سکتی ہے، اس کے اقتدار کو طول دے سکتی ہے۔ لیکن دنیا کی تاریخ اس بات پر شاید ہے کہ جو فوج دلوں پر حکمرانی نہیں کر پاتی، وہ زمین پر نقش ناپائیدار ثابت ہوتی ہے۔

شہر کے سب سے بڑے کتب خانے میں داخل ہوں تو بڑے ہال میں ابوعبداللہ رودکی، فردوسی، سعدی، حافظ، بیدل، خسرو، البیرونی، بوعلی سینا اور اورنگزیب عالمگیر کی بیٹی جو نادر الکلام شاعرہ تھی ان کی قد آدم تصاویر نظر آتی ہیں، کتب خانہ ملی یعنی نیشنل لائبریری کے ڈائریکٹر نے زیب النساء کا شعر بھی سنایا جو شاید آج سے پندرہ سال پہلے کسی کو یاد بھی نہ ہو۔

دختر شاہم ولیکن روبہ فقر آوردہ ام
زیب و زینت بس ہمیں نم نام من زیب النساء

(میں شاہ کی بیٹی ہوں لیکن فقر اختیار کیا ہے۔ زیب وزینت میرے لئے ہے کہ میرا نام زیب النساء ہے) شہر کی ایک سڑک اور ہے جو کبھی روس کے سب سے بڑے کمیونسٹ اخبار پراودا کے نام پر پراودا سٹریٹ تھی۔ اب اس کا نام سعدی شیرازی سٹریٹ ہے۔ ایک زمانہ تھا جب مسلمانوں کے ناموں کے ساتھ اوف لگا کر ان کی پہچان کو روسی بنایا گیا تھا تاکہ ان کی نسلیں اپنے ناموں کے حوالے سے بھی ماضی کو یاد نہ رکھ سکیں۔ اب اسی تاجکستان میں آپ کو اوف یعنی کریموف، رحمانوف کہلانے والا شاید ہی کوئی مل سکے۔ کوئی احمد علی ہے تو کوئی سیف اللہ تو کوئی عبدالرحمٰن۔ خود صدر جمہوریہ جو رحمانوف کہلاتا تھا، اب سارے میڈیا میں رحمٰن کہلاتا ہے۔

اس ماضی کی کوئی یاد، کوئی نشانی، اب اس پورے خطے میں ڈھونڈنی اتنی ہی مشکل ہے جتنی آثار قدیمہ تلاش کرنا ہوتا ہے۔ کسی سے ذکر کرو تو وہ اپنے آپ کو دو ادوار میں تقسیم کرتا ہے قبل از استقلال اور بعد از استقلال۔ استقلال وہاں آزادی کے دن کو کہتے ہیں۔ یہ سب وہ اقوام تھیں جو دنیا کی دوسری بڑی عالمی طاقت کا حصہ تھیں۔ مدتوں ان کی تاریخ، ان کا جغرافیہ، ان کی حیثیت، ان کے خواب اور ان کا مستقبل ان سے وابستہ تھا، لیکن نہ ماضی وابستہ تھا اور نہ ان کا دل اس آمریت کے ساتھ دھڑکتا تھا۔ اسی لئے اسلحوں کے کارخانوں، ایک مستعد فوج اور کئی ہزار ایٹم بم بھی کسی پرولتاری آمریت کے علم بردار کو زندہ نہ رکھ سکے۔ لوگوں نے ان کی نشانیاں تک اپنی زندگیوں سے کھرچ ڈالیں۔

دوشنبے کی شاہراہ رودکی پر چلتے ہوئے میں سوچ رہا تھا، نصاب تبدیل کر کے، روشن خیالی کے مظاہرے اور مغرب زدہ طرز زندگی کے خواب دکھا کر ہم جس مضبوط قوم کا دفاع ایٹم بم اور اسلحے کے کارخانوں سے مستحکم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں، ایسے ہی خواب 1917ء میں پرولتاری آمریت نے دیکھے تھے لیکن جب وقت بدلا تو سارے کے سارے ایٹم بم ٹھکانوں پر بند پڑے رہ گئے۔ ساری فوج دیکھتی رہ گئی۔ کلاشنکوف ایجاد کرنے والوں کی کلاشنکوف بھی کام نہ آ سکی۔ موسم بدلا تو سعدی، حافظ اور بوعلی سینا، البیرونی زندگیوں میں واپس آ گئے اور وہ جو دفاعی حصار کی باتیں کیا کرتے تھے، منظر سے یوں غائب ہوئے جیسے تھے ہی نہیں۔ یہ تاریخ کا ایسا سبق ہے جسے کوئی مطلق العنان حکمران نہ پڑھتا ہے اور نہ ہی سمجھتا ہے۔ اسے تو ایک ہی سبق یاد ہوتا ہے، اسلحے کے ڈھیر اور چاق و چوبند فوج ملک بچا سکتی ہے، اس کے اقتدار کو طول دے سکتی ہے۔ لیکن دنیا کی تاریخ اس بات پر شاید ہے کہ جو فوج دلوں پر حکمرانی نہیں کر پاتی، وہ زمین پر نقش ناپائیدار ثابت ہوتی ہے۔

(بشکریہ روزنامہ ''ایکسپریس'')

امیرِ محترم کی دفتر تنظیم اسلامی سوسائٹی کراچی آمد

27 جولائی بروز جمعہ نماز مغرب کے وقت امیر محترم حافظ عاکف سعید، ناظم اعلیٰ جناب اظہر بختیار خلجی اور امیر حلقہ سندھ زیریں جناب نسیم الدین کے ہمراہ سوسائٹی تنظیم کے رفقاء اور ان کے زیرِ دعوت احباب سے ملاقات کے لئے تنظیم اسلامی سوسائٹی کراچی کے دفتر (واقع حق چیمبرز) تشریف لائے۔ اس ملاقات کے لئے احباب کو بھی مدعو کیا گیا تھا مگر ورکنگ ڈے ہونے کی وجہ سے احباب کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ تاہم تقریباً 45 رفقاء امیر محترم سے ملاقات کے لئے موجود تھے۔ ابتدا میں راقم نے سوسائٹی تنظیم کا تعارف کرایا اور اُسروں، حلقہ جات قرآنی کی تعداد، نقباء اور ذمہ داران کے نام سے امیر محترم اور ناظم اعلیٰ صاحب کو آگاہ کیا۔ اس کے بعد تمام نقباء نے (سوائے ایک کے جو مدرسین کی تربیت گاہ میں شریک تھے) اپنا اور اپنے اسرے کا تعارف کرایا۔ پھر امیر محترم سے ان رفقاء کا تعارف کرایا گیا، جنہوں نے مارچ 2006ء میں تنظیم میں شمولیت اختیار کی تھی۔ ان رفقاء سے تعارف کے بعد امیر محترم نے مختصر گفتگو کی، جس میں آپ نے فرمایا کہ سالانہ اجتماع کے موقع پر اور دوسرے بڑے پروگراموں میں رفقاء سے ذاتی تعارف و گفتگو کا موقع نہیں ہوتا، اِسی لئے دورۂ حلقہ جات کے دوران کوشش کی جاتی ہے کہ ایک یا دو تناظیم میں جا کر رفقاء سے گفت وشنید کریں اور تمام رفقاء سے متعارف رہنے کی کوشش کریں۔ بعدازاں آپ نے رفقاء کے سوالوں کے جوابات دیئے۔ ایک سوال کے جواب میں امیر محترم نے فرمایا کہ فتنۂ انکارِ سنت میڈیا پر اس لئے Promote کیا جا رہا ہے تاکہ (معاذ اللہ) نبی اکرم ﷺ کی ذات کی اہمیت کو کم کیا جائے اور چونکہ احادیث کا مفہوم تو محفوظ مگر متن قرآن حکیم کی طرح محفوظ نہیں اس لئے اسلام دشمن عناصر اس بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور چونکہ یہ لوگ داڑھی اور پردہ کے قائل نہیں ہے، اسی لئے ہمارے مغرب زدہ، نام نہاد روشن خیال طبقہ کو ان کے پیچھے چلنے میں آسانی نظر آتی ہے۔

ایک سوال کے جواب میں ناظم اعلیٰ صاحب نے فرمایا کہ ہماری دعوت کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے اور ہمیں اسی طرف لوگوں کو دعوت دینی ہے۔ اگر اسلامی معاشرہ کے قیام کی برکات کو بنیاد بنائیں گے تو ہمیں اس کا ٹائم فریم بھی دینا پڑے گا اور یہ ممکن نہیں ہے۔ حصول رضائے الٰہی کے لئے نفاذ دین کی جدوجہد تو ہماری ذمہ داری ہے، مگر عملاً قائم کرنے کے ہم مکلف نہیں ہیں۔

رات دس بجے تمام رفقاء نے امیر محترم کی اقتداء میں نماز عشاء ادا کی۔ عشائیہ کے بعد پروگرام کا اختتام ہوا۔

(مرتب: ثاقب رفیع شیخ)

امیر تنظیم اسلامی کا قرآن اکیڈمی کے سابق طلبہ سے خطاب

امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید نے گزشتہ دنوں قرآن اکیڈمی یاسین آباد کراچی میں اکیڈمی کے سابق طلبہ کی ایسوسی ایشن سے پہلا خطاب فرمایا۔ المنائے کے صدر جناب اکبر شہباز نے امیر تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں جناب نسیم الدین اور صدر انجمن خدام القرآن سندھ جناب عبدالطیف عقیلی کی شرکت اور قرآن اکیڈمی یاسین آباد کے ڈائریکٹر جناب اشفاق کے تعاون کا شکریہ ادا کیا اور قرآن اکیڈمی المنائے کے قیام کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان افراد کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا مقصود ہے جو ملک بھر میں قائم اکیڈمیوں سے تعلیم حاصل کر چکے ہیں، تاکہ وہ قرآن کے پیغام کو عام کرنے میں فعّال کردار ادا کر سکیں۔

امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید نے قرآن مجید کی فضیلت پر روشنی ڈالتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ قرآن مجید مسلمانوں کے اتحاد کے لئے ایک مرکزی قوت کی حیثیت رکھتا ہے اور دشمنانِ اسلام مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے میں مسلسل کوشاں ہیں۔ آپ لوگ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ اب شکرانے کے طور پر آپ کو چاہئے کہ اس قرآن کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں۔ آپ قرآن پر عمل اور دین حق کو نافذ کرنے کی جدوجہد میں پیش پیش رہیں، یہی نجات کا واحد راستہ ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ آج مسلمانوں پر ذلت کا جو عذاب مسلط ہے، وہ صرف قرآن کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔ دشمنان اسلام کی روش کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی نے بتایا کہ قرآن پر عمل تو درکنار اب تو جو بھی یہ کہے کہ میں قرآن کو مانتا ہوں، وہ ان کے نزدیک دہشت گرد اور دشمن ہے۔ اس کی تفصیل بتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایک قرآنی ویب سائٹ پر قرآن کے پیغام جہاد وقتال کے بارے میں پڑھ کر، بہت سے امریکی یہ مطالبہ کرنے لگے ہیں کہ اس ویب سائٹ کو ختم کیا جائے۔ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ جو شخص بھی قرآن کو الہامی کتاب مانتا ہے تو اسے دہشت گرد قرار دیا جائے۔ یہ بات لمحۂ فکریہ ہے، ان مسلمانوں کے لئے جو اپنے آپ کو سیکولر کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں انہوں نے قرآن مجید کے حقوق کی تفصیل بیان کی اور فرمایا کہ قرآن میں ایسی طاقت موجود ہے کہ یہ انسان کی زندگی کو بدل دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پارس کے پتھر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جس چیز سے چھو جائے اسے سونا بنا دیتا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو قرآن سے جڑ کر رہنے کی تلقین فرمائی۔ تقریب کے اختتام پر آپ قرآن اکیڈمی المنائے کے ممبران کے ساتھ طعام میں بھی شریک ہوئے۔

(مرتب: احسان الحق قریشی)

تنظیم اسلامی لاہور وسطی کا ماہانہ نصف روزہ دعوتی وتربیتی پروگرام

یہ پروگرام 15 جولائی 2007ء کو منعقد ہوا۔ پروگرام کا وقت ساڑھے نو بجے مقرر تھا لیکن شاید سانحۂ لال مسجد کے ہفتہ عشرہ سے جاری اعصاب شکن اثرات نے رفقاء کو بھی متاثر کیا تھا جو حاضری کی کمی سے ظاہر تھا۔ پروگرام کا آغاز دس بجے ہوا۔ امجد محمود نے سورۃ القمان کے دوسرے رکوع کی تلاوت اور مختصر ترجمہ وتشریح پیش کی۔ سانحۂ لال مسجد کے جانکاہ حادثے کے اثرات پوری فضا پر طاری تھے۔ اِسی پس منظر میں محترم نثار احمد خان نے ڈاکٹر شاہد مسعود کی روزنامہ جنگ، میں شائع شدہ تحریر ''کون تھیں، کہاں چلی گئیں'' سنائی جو جامعہ حفصہ کی ایک طالبہ اور اس کی معصوم بہن سے ان کی ملاقات اور بعدازاں دوران آپریشن ہونے والی موبائل فون گفتگو سے متعلق تھی۔ تحریر پڑھتے وقت وہ خود بھی آبدیدہ رہے اور سامعین پر بھی رقت طاری رہی۔ تاہم انہوں نے وہ یہ واضح کیا کہ تنظیم اسلامی کا لائحہ عمل رسول اکرم ﷺ کے طریقۂ انقلاب سے ماخوذ ہے اور ان شہادتوں کے ثمرات حاصل کرنے کے لیے ہمیں سیرت رسول ﷺ سے ماخوذ منہج ہی پر چلنا ہوگا۔ جس کا اہم سنگ میل یعنی مرحلہ اقدام اس وقت آتا ہے جب صبر محض اور نہی عن المنکر باللسان کرتے ہوئے اتنی طاقت مہیا ہو جائے کہ باطل نظام کے خلاف کاری ضرب لگائی جا سکے۔

نفیس قصوری نے ''حکمت نبویؐ کے شاہکار'' کے عنوان نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے بعض نمایاں واقعات کے تذکرہ کیا جو آپؐ کی فراست، معاملہ فہمی اور تدبر وحکمت پر شاہد ہیں۔ ان میں تنصیب حجر اسود (قبل از نبوت)، صلح حدیبیہ اور غزوۂ حنین کے موقع پر مال غنیمت کی تقسیم کے ضمن میں انصار کی بے چینی اور اس کو حکمت وتدبر اور خطیبانہ جوش کے ساتھ ختم کرنے جیسے واقعات شامل تھے۔ سیرت نبوی ﷺ کے مذاکرے کا یہ ایک نیا انداز تھا۔

محسن ڈار نوجوان اور نئے رفیق ہیں۔ انہوں نے سیرت صحابہؓ کے ضمن میں حضرت علیؓ کی بہادری کے واقعات بیان کیے۔

مبارک گلزار نے قدرے تفصیل سے منہج انقلاب نبوی ﷺ اور اسلامی انقلاب کے نمایاں ثمرات کو بیان کیا۔ انہوں نے یہ واضح کیا کہ صرف نبوی منہاج ہی سے اسلامی نظام نافذ ہو سکتا ہے۔

جناب مجیب الرحمٰن نے ایمان کا ثمر اور لب لباب: توکل علی اللہ پر گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا کام اپنی استطاعت کی حد تک محنت و مشقت اور ایثار قربانی ہے۔ اگر ہم یہ کر گزریں تو ہم سرخرو ہو جائیں گے۔

جناب عمران حمید نے کہا کہ جن و انس کی غایتِ تخلیق ''عبادت رب'' ہے۔ لیکن نظام باطل کے ہوتے ہوئے ہم عبادت کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتے کیونکہ یہ نظام بہت سی ضروریات وحدودِ دینیہ کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ نظام باطل کو جڑ سے اکھاڑنے کی سعی جدوجہد کی جائے۔ انہوں نے حلقہ جات قرآنی کو زیادہ موثر بنانے اور اس میں رفقاء واحباب کی زیادہ سے زیادہ اور باقاعدہ شرکت پر زور دیا۔ پروگرام کا اختتام نماز ظہر کے بعد کھانے پر ہوا۔ (مرتب: عادل جہانگیر)

حلقہ سندھ زیریں کے تحت لال مسجد آپریشن کے خلاف احتجاجی مظاہرہ

مرکز کے طے شدہ پروگرام کے مطابق حکومت کی جانب سے لال مسجد کی انتظامیہ کے خلاف آپریشن سائلنس کے خلاف حلقہ سندھ زیریں کے تحت ایک مظاہرہ جمعرات 19 جولائی کو کراچی پریس کلب کے سامنے منعقد ہوا۔ اس مظاہرے کے سلسلے میں 45000 ہینڈ بلز، 20 عدد بینرز اور 42 عدد پلے کارڈز تیار کیے گئے تھے۔ طے ہوا تھا کہ مظاہرہ کے دوران 4000 ہینڈ بلز بانٹے جائیں گے اور باقی ہینڈ بلز تنظیم کے حوالے کر دیے جائیں گے، جو اپنے علاقوں میں تقسیم کریں گی۔ بینرز اور پلے کارڈز کے ساتھ رفقاء کی صف بندی عمل میں لائی گئی اور مظاہرہ کا آغاز شجاع الدین شیخ صاحب کی تقریر سے ہوا۔ انھوں نے کہا کہ تنظیم اسلامی کے ساتھی حکمرانوں کے اُس ظلم کے خلاف احتجاج ریکارڈ کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں، جوانہوں نے لال مسجد اور مدرسہ حفصہ کی انتظامیہ کے خلاف روا رکھا اور جس کے نتیجے میں مولانا عبدالرشید غازی سمیت بے شمار طلبہ و طالبات کو شہید کیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ مملکت خداداد پاکستان اسلام کے نام پر صرف اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے وجود میں آیا تھا۔ ہمارا آئین یہ کہتا ہے کہ کوئی قانون سازی جو قرآن وسنت سے متصادم ہو نہیں کی جا سکتی۔ انھوں نے کہا کہ مولانا عبدالرشید غازی اور ان کے ساتھیوں نے جو مطالبات کیے تھے جس میں ملک میں عریانی وفحاشی کو ختم کرنا اور اسلام کے نظام عدل اجتماعی کو نافذ کرنا آئین کے عین مطابق تھے لیکن ان مطالبات کو تسلیم نہیں کیا گیا اور ان کی تحریک کو طاقت کے بل بوتے پر کچل کر رکھ دیا گیا۔

انجینئر نوید احمد نے اپنی تقریر میں کہا کہ جس دن مدرسہ حفصہ اور لال مسجد پر چڑھائی کی گئی وہ پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دن تھا۔ حکومت نواز شریف، بینظیر اور آصف زرداری کے ساتھ تو رعایت کا معاملہ کر سکتی ہے لیکن علماء اور طلبہ وطالبات کے ساتھ نہیں۔ یہ بدترین آپریشن محض امریکہ کی خوشنودی کے لیے کیا گیا تا کہ ان کے اقتدار کو خطرہ نہ رہے۔ حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ بھی ظلم بربریت پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں۔ ظلم اور فحاشی کے خلاف تحریک جاری رہے گی۔

عامر خان نے اپنی تقریر میں کہا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح طور پر فرما دیا ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمھیں اس کا شعور نہیں۔ مولانا عبدالرشید غازی اور ان کے طلبہ وطالبات شہید ہو کر جاوداں ہو گئے۔ 60 سال کا عرصہ گزر چکا، ہم نے مملکت خداداد پاکستان میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا نفاذ نہیں کیا۔ اس کے نتیجے میں 1970ء میں پاکستان دولخت ہو گیا اور اگر اب بھی ہم نے اس معاملے میں پیشرفت نہ کی تو شدید اندیشہ ہے کہ یہ ملک باقی نہ رہے۔

طارق امیر پیرزادہ نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اسلام کے نظام کے نفاذ کے لیے اقدامات کئے جائیں۔ عریانی وفحاشی کو ختم کیا جائے، مدارس کے خلاف اقدامات روکے جائیں، گرفتار شدہ افراد کو رہا کیا جائے۔ مدرسہ حفصہ اور لال مسجد کو بحال کیا جائے اور انھیں وفاق المدارس کی تحویل میں دیا جائے۔

اس کے بعد رفقاء کو تین گروپ میں تقسیم کیا گیا۔ ایک گروپ نے انجینئر نوید احمد کی قیادت میں جس میں تنظیم گلشن اقبال سوسائٹی کورنگی سوسائٹی اور لانڈھی کے رفقاء شامل تھے، شارع فیصل پر کاشف سینٹر کے ساتھ والی چورنگی پر خاموش مظاہرہ کیا۔ دوسرے گروپ نے جس کے امیر شجاع الدین شیخ تھے اور جس میں جنوبی اور اولڈ سٹی کے رفقاء شامل تھے خاموش مظاہرہ کے لیے شاہین کمپلکس پہنچے۔ اور تیسرے گروپ نے جس میں گلستان جوہر، نارتھ کراچی، نارتھ ناظم آباد وسطی اور نگی کے رفقاء شامل تھے اور جس کے امیر سید اظہر ریاض تھے کوسٹ گارڈ کے ہیڈکوارٹر کے قریب ایم اے جناح روڈ کی چورنگی پر خاموش مظاہرہ کیا۔ یہ مظاہرے نماز عصر سے قبل تک جاری رہے اور دعا پر ان کا اختتام ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری ان حقیر سی کوششوں کو قبول فرمائے اور آخرت میں خسارے سے نجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین) (رپورٹ: محمد سمیع)

تنظیم اسلامی حلقہ بلوچستان کے زیر اہتمام احتجاجی مظاہرہ

19 جولائی 2007ء کو تنظیم اسلامی حلقہ بلوچستان کے زیر اہتمام سانحہ لال مسجد کے خلاف مظاہرہ ہوا۔ رفقاء واحباب تقریباً ساڑھے پانچ بجے شام دفتر حلقہ میں جمع ہوئے۔ چھ بجے قریبی مسجد میں نماز عصر ادا کی گئی۔ نماز کے بعد رفقاء ہاتھوں میں پلے کارڈ اور بینر لے کر پریس کلب کی طرف روانہ ہوئے۔ پریس کلب کے سامنے مظاہرہ کیا گیا۔ وہاں سے منان چوک روانگی ہوئی اور وہاں پر 15 منٹ ٹھہر کر میزان چوک روانہ ہوئے، اور مغرب کی اذان تک وہاں مظاہرہ کیا۔ اور مظاہرے کے دوران تین چار رفقاء ہینڈ بلز تقسیم کرتے رہے۔ اس مظاہرے میں 27 رفقاء اور 12 احباب نے شرکت کی۔ (مرتب: محمد راشد گنگوہی)

سانحہ لال مسجد کے سلسلے میں سکھر شہر میں حلقہ کی سطح پر مظاہرہ

مرکز کے دیئے ہوئے پروگرام کے مطابق 19 جولائی کو تنظیم اسلامی حلقہ بالائی سندھ کے زیر اہتمام سکھر شہر میں پرامن مظاہرہ کا انعقاد کیا گیا۔ حلقہ کے اکثر رفقاء اس قلیل وقت میں صرف فون کے ذریعے اطلاع پر مظاہرہ میں شریک ہوئے۔ اللہ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ (آمین)

مظاہرہ کے لئے 10 عدد بینرز، 20 عدد ٹی بورڈز اور 4000 ہینڈ بلز پرنٹ کروائے گئے تھے۔ قبل از نماز عصر حلقہ کے دفتر سے مظاہرہ کے لئے روانگی ہوئی۔ نماز عصر سفید جامع مسجد میں باجماعت ادا کی گئی۔ نماز کے بعد وہاں سے امیر حلقہ کی خصوصی ہدایات کے بعد قافلے کی شکل میں گھنٹہ گھر روانگی ہوئی۔ گھنٹہ گھر پہنچ کر تمام رفقاء بینرز اور ٹی بورڈز تھامے ٹاور کے گرد خاموش کھڑے ہو گئے۔ کچھ رفقاء ہینڈ بلز تقسیم کرتے رہے اور کچھ اسپیکر کے ذریعے لال مسجد اور جامع حفصہ میں موجود طلبہ وطالبات پر ناحق ہونے والی وحشیانہ بمباری اور اس کے نتیجے میں اُن کی شہادت پر تنظیم اسلامی کا مؤقف سامعین کے سامنے لاتے رہے۔ مظاہرہ بالکل خاموش اور پرامن تھا، اور قبل از نماز مغرب اختتام پذیر ہوا۔ آخر میں امیر حلقہ نے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔ تمام شرکاء اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئے۔ مظاہرہ میں 50 رفقاء واحباب شریک ہوئے۔ (رپورٹ: نصر اللہ انصاری)

تنظیم اسلامی سیالکوٹ کے زیر اہتمام پروگرام شب بیداری

تنظیم اسلامی سیالکوٹ کے زیر اہتمام 28 جولائی 2007ء کو شب بیداری منعقد ہوئی، جس کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ خالد یعقوب نے دینی فرائض کا جامع تصور اور دین ومذہب کا فرق واضح کیا۔ اسد اقبال نے قیامت کی ہولناکیوں پر پراثر گفتگو کی۔ انہوں نے کہا قیامت کے دن نیکی اور بدی کا پورا پورا حساب ہوگا۔ بعد نماز عشاء فیصل وحید نے اقامت دین کے حوالے سے گفتگو کی اور اس کے بعد کھانے کا وقفہ ہوا۔ بعد ازاں بھائی رضوان نے خلقِ عظیم پر نہایت عمدہ پیرائے میں گفتگو کی۔ انہوں نے بتایا نیکی اور بدی ہرگز برابر نہیں ہوسکتی۔ اگر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو اس کا بدلہ برائی سے نہ دو بلکہ صبر و

تحمل کا برتاؤ کرو۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ عادل قریشی نے سانحہ لال مسجد کے حوالے سے مذاکرہ کیا جن میں سوالات کا موضوع یہ رہا کہ اس سانحہ کے پس پردہ کون سے عوامل تھے، حکومت کے کیا مقاصد تھے، این جی اوز نے کیا کردار ادا کیا، اصل معاملہ کیا تھا، حکومت اور میڈیا نے کیا کھیل کھیلا اور کیوں عوام الناس کو حقائق سے دور رکھا گیا۔ مسنون دعا کے ساتھ محفل کا اختتام کیا گیا۔ (مرتب: خواجہ محمد اشفاق)

بقیہ: اداریہ

تو یہ آزادی کیسے رہے گی۔ ڈھول ڈھمکوں سے اور ملی نغمے گانے سے آزادی برقرار نہیں رہتی۔ اس کے لیے صحیح سمت میں محنت اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ جارج واشنگٹن کہا کرتا تھا: ''قوم کا لیڈر اگر تین گھنٹوں سے زیادہ سوتا ہے تو وہ کرپشن کرتا ہے۔'' آزادی بے بہا نعمت ہے۔ حقیقی آزادی حاصل کرنا ہماری ضرورت ہے۔ پھر ہم جشنِ آزادی منائیں یا نہ منائیں۔ دنیا ہماری آزادی کو تسلیم کرے گی، ہماری آزادی کا احترام کرے گی۔ پھر کوئی یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکے گا کہ ہمیں پاکستان کے اندر کارروائی کرنے کے لیے پاکستان کی اجازت کی ضرورت نہیں، بلکہ کوئی ایسا سوچ بھی نہ سکے گا۔ یقیناً آزادی کا کوئی بدل نہیں اور حرف آخر یہ ہے کہ مسلمان کو اللہ کے سوا کسی کی غلامی قبول نہیں۔

خطاب: محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہٗ

(بانی تنظیم اسلامی و داعی تحریکِ خلافت)

موضوع

نظامِ خلافت کے قیام کا طریقہ کار

بتاریخ: 9 ستمبر بروز اتوار صبح 10 بجے

بمقام:

مسجد نمرہ، مرکز تنظیم اسلامی، محلہ ملک پارک، گوجرانوالہ

برائے رابطہ: 03007446250

دعائے صحت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی نارتھ ناظم آباد کراچی کے بزرگ رفیق جناب سلطان مزمل زبیری شدید علیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ رفقاء و احباب سے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

☆☆ضرورت رشتہ☆☆

☆ لاہور میں مقیم اردو سپیکنگ پٹھان برادری سے تعلق رکھنے والی لڑکی، عمر 24 سال، شرعی پردے اور دینی اقدار پر کاربند، ایم فل میں زیر تعلیم کے لیے نیک سیرت، برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 6822589 0334-4066257

☆ ایف اے پاس، سلیقہ شعار، اور گھرداری کے امور میں ماہر 23 اور 24 سالہ لڑکیوں کے لئے اردو سپیکنگ رشتے درکار ہیں۔

برائے رابطہ: 7084392 0345-4239185

☆ ہومیوپیتھک لیڈی ڈاکٹر، مطلقہ، عمر 32 سال کے لیے تعلیم یافتہ برسرروزگار رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 7593395

☆ گوجر خان ضلع راولپنڈی میں مقیم شیخ فیملی کو اپنی بیٹی عمر 28 سال تعلیم بی۔اے، بی۔ایڈ، الہدیٰ انٹرنیشنل سے ڈپلومہ کورس اور بیٹے عمر 25 سال تعلیم ایف ایس سی ذاتی کاروبار، کے لئے دینی مزاج کی حامل فیملی سے موزوں رشتے درکار ہیں۔

برائے رابطہ: 0321-6094527

☆ لاہور کے رہائشی آرائیں فیملی کو 24 سالہ، ایف اے پاس، صوم وصلوٰۃ اور شرعی پردہ کی پابند بیٹی کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0333-4454503

☆ کراچی میں شیخ قریشی خاندان کو اپنی بیٹی، عمر 28 سال، تعلیم ایف اے کے لیے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 021-2730297

☆ سید فیملی کو اپنی بیٹی 35 سالہ خلع یافتہ، بی اے، بی ایڈ کے لیے موزوں رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 7844560 0322-4638909

☆ لاہور میں رہائش پذیر ملک اعوان اوسط کاروباری گھرانہ کی بچی، عمر 22 سال، تعلیم میٹرک، پابند صوم وصلوٰۃ، ماہر امور خانہ داری، کے لئے اوسط گھرانہ سے برسرروزگار دینی مزاج کا حامل رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 6313349 0306-4230108

☆ تعلیم وتدریس سے وابستہ رفیق تنظیم اسلامی کو اپنے بیٹے، عمر 26 سال، تعلیم ایم کام، سی اے کا آخری امتحان باقی، قد 5 فٹ 9 انچ، کے لیے لیے ترجیحاً تنظیمی گھرانے سے کم از کم گریجویٹ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0321-4770587

☆ پی ایچ ڈی سٹوڈنٹ، عالم دین، عمر 28 سال کے لیے دینی مزاج کی حامل خاتون کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 042-5056176

☆ فیصل آباد کی رہائشی، بیٹی، عمر 24 سال، دراز قد، تعلیم میٹرک، کے لئے دیندار گھرانے سے رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0302-6436447

☆ لاہور میں مقیم فیملی کو اپنی بیٹی تعلیم ایم اے انگلش، عمر 28 سال —— اور بیٹی عمر 35 سال، تعلیم ایف اے، صوم وصلوٰۃ کی پابند، کے لیے موزوں رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0304-4086707

☆ دو بہنوں کے لیے رشتے درکار ہیں۔ عمر 27 سال، تعلیم مڈل امور خانہ داری کی ماہر، عمر 24 سال، تعلیم ایم۔اے اسلامک اسٹڈیز، ایک سالہ قرآن فہمی کورس، تعلق دہلی سے، کراچی میں مقیم، تنظیمی رفقاء کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: 0321-2590070

حزب التحریر کے زیر اہتمام احیائے خلافت کانفرنس

انڈونیشیا کے دارالحکومت جکارتہ میں اسلامی گروپ حزب التحریر کے زیر انتظام بین الاقوامی اجتماع ہوا، جس میں 70 ہزار علماء، سکالرز اور کارکنوں نے شرکت کی۔ حزب التحریر کے ذرائع کے مطابق یہ اب تک دنیا بھر میں ہونے والی اسلامی کارکنوں کی سب سے بڑی کانفرنس ہے۔ حزب التحریر تنظیم کا منشور اسلامی خلافت کی بحالی ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں اس تنظیم کو خفیہ، شدت پسند اور انتہائی منظم قرار دیتی ہیں۔ اس کو مشرق وسطی اور یورپ کے بیشتر ممالک میں کالعدم قرار دیا جا چکا ہے۔ اطلاعات کے مطابق کانفرنس میں شرکت کے لئے چند اہم غیر ملکی رہنماؤں کو انڈونیشیا کے حکام نے ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔

یہ کانفرنس ایک سٹیڈیم میں منعقد کی گئی اور اس میں 70000 افراد جن میں عورتوں کی بہت بڑی تعداد بھی شامل تھی، ملک کے مختلف حصوں سے شرکت کے لیے پہنچے۔ اس کانفرنس سے انڈونیشیا کے مذہبی رہنما ابوبکر بشیر نے خطاب کرنا تھا لیکن پولیس کی جانب سے سیکیورٹی کے خدشات کے پیش نظر انہوں نے خطاب نہیں کیا۔ اے ایف پی کے مطابق بڑی تعداد میں لوگ بسوں کے قافلوں کی صورت میں سٹیڈیم پہنچے۔

سکالرز نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ خطے میں خلافت کے قیام کے لئے یہ بہترین وقت ہے۔ سینئر مسلم سکالر شمس الدین نے کہا کہ اسلام کی ترقی یا تنزلی کا دارومدار مسلمانوں پر ہے۔ خلافت کی خصوصیت یہ تھی کہ مسلمان متحد تھے اور انڈونیشی مسلمانوں کو اپنے اتحاد سے اپنے ملک کو تحفظ دینا چاہیے۔ کانفرنس کے دوران سیکیورٹی کے انتظامات سخت نہیں تھے۔ پولیس اہلکار ٹریفک کنٹرول کرتے رہے۔ کانفرنس پرامن طور پر اختتام پذیر ہوئی۔

حماس کا کوسٹ گارڈ دستہ

حماس نے اعلان کیا ہے کہ وہ علاقہ غزہ کے ساحلوں کی حفاظت اور منشیات کی اسمگلنگ روکنے کے لیے کوسٹ گارڈ دستہ تشکیل دے گی۔ حماس پہلے ہی نیا ٹریفک پولیس دستہ متعین کر چکی ہے۔ ان اقدامات سے ظاہر ہے کہ حماس اپنے علاقے میں مضبوطی سے قدم جما رہی ہے۔

بھارت کے نئے نائب صدر

سابق سفارت کار محمد حمید انصاری بھارت کے نائب صدر منتخب ہو گئے ہیں۔ موصوف کانگریس کی طرف سے امیدوار تھے اور انہوں نے 455 ووٹ حاصل کیے۔ انہوں نے بی جے پی کی امیدوار نجم ہفت اللہ کو بآسانی ہرا دیا، جنہوں نے اس سے آدھے ووٹ لیے۔ اس انتخاب کے موقع پر بھارتی ایوان بالا اور ایوان زیریں کے ارکان نے ووٹ ڈالے، جن کی کل تعداد 788 ہے۔ حمید انصاری اقوام متحدہ میں بھارت کے مستقل نمائندے رہ چکے ہیں اور اعلیٰ سفارت کار گردانے جاتے ہیں۔

بغداد میں سعودی سفارت خانہ

اطلاعات کے مطابق سعودی عرب عراق میں اپنا سفارت خانہ دوبارہ کھولنے کا پروگرام بنا رہا ہے۔ 1990ء میں جب صدام نے کویت پر حملہ کیا، تو یہ سفارت خانہ بند کر دیا گیا تھا۔ اب صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے ایک سعودی وفد بغداد پہنچ گیا ہے۔

امریکا کے ہوشربا فوجی اخراجات

امریکی ایوان نمائندگان نے جنگی اخراجات کے سلسلے میں حکومت کا بجٹ منظور کر لیا ہے۔ یہ بجٹ 459 ارب ڈالر پر مشتمل ہے۔ پاکستانی روپوں میں یہ رقم کھربوں روپے بنتی ہے۔ امریکی خود کو حقوق انسانی کا چیمپئن اور غریبوں کا مددگار کہتے ہیں۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ کھربوں روپے ہتھیار بنانے اور دوسری اقوام پر حملہ کرنے کے سلسلے میں خرچ کر دیے جاتے ہیں۔ یہ امریکیوں کی منافقت کا کھلا ثبوت ہے۔

ترک پارلیمان کے نئے اسپیکر

ترک حکمران جماعت جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی کے نامزد کردہ امیدوار 64 سالہ کوکسال توپتان نئی پارلیمان کے اسپیکر منتخب ہو گئے ہیں۔ 550 نشستی ایوان میں سے انہیں 450 ووٹ ملے۔ اہم بات یہ ہے کہ انہیں حزب اختلاف کے ارکان نے بھی ووٹ دیا۔ یوں ترکی میں کئی ماہ سے جاری سیاسی کشیدگی کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے مابین دوستانہ ماحول نے جنم لیا ہے۔

حقیقتاً کوکسال توپتان کی نامزدگی سے حکمران جماعت نے حزب اختلاف کو یہ اشارہ دیا کہ وہ اب ان سے دوستی کرنے کی خواہش مند ہے۔ یاد رہے کہ ترک حزب اختلاف بنیادی طور پر سیکولر (لادینی) سیاسی جماعتوں پر مشتمل ہے۔ اپریل میں جب اے کے پی نے اسلام پسند امیدوار عبداللہ گل کو صدارتی امیدوار نامزد کیا تھا، تو ایسے سیاسی بحران نے جنم لیا کہ اس نے نئے انتخابات کرا کے ہی چھوڑے۔

نئے اسپیکر پیشے کے لحاظ سے وکیل اور ایک معزز سیاست دان ہیں۔ تاہم وہ اسلام پسند نہیں، موصوف تعلیم اور ثقافت کے وفاقی وزیر رہ چکے ہیں۔ منتخب ہونے کے بعد توپتان نے کہا "اگر ہم ایک دوسرے کی سنیں اور مل جل کر کام کریں، تو ہر مسئلے پر قابو پا سکتے ہیں۔ اب ترک پارلیمان نے نئے صدر کا انتخاب کرنا ہے اور یہ ایک سخت مرحلے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اے کے پی نے وزیر خارجہ عبداللہ گل کو دوبارہ صدارتی امیدوار نامزد کیا ہے۔

جناح ہاؤس مجھے دیا جائے

قائداعظم کی بیٹی دینا نے ممبئی ہائیکورٹ سے درخواست کی ہے کہ چونکہ وہ اپنے والد کی اکلوتی وارث ہے، اس لیے ممبئی میں ان کی تعمیر کردہ کوٹھی "جناح ہاؤس" انہیں دیا جائے۔ قائداعظم نے 1930ء کے عشرے میں جناح ہاؤس تعمیر کروایا تھا۔ قیام پاکستان تک قائداعظم وہیں مقیم رہے۔ ممبئی کے ساحلی علاقے میں واقع یہ گھر ڈھائی ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کی موجودہ مالیت تقریباً تین تا چار ارب روپے ہے۔

اطالوی سنگ مرمر اور گول ستونوں سے آراستہ اس عمارت کے لیے پاکستانی حکومت کئی بار بھارتی حکومت سے درخواست کر چکی ہے کہ اُسے فروخت کر دی جائے، مگر بھارتی حکومت کوئی جواب نہیں دیتی۔ اب دینا جناح نے ہائیکورٹ میں درخواست دی ہے کہ یہ گھر اُسے عطا کر دیا جائے۔

افغان مہاجرین کے لیے مزید رقم چاہیے

اقوام متحدہ کی ری فیوجی ایجنسی نے رکن ممالک سے درخواست کی ہے کہ اُسے فوراً 10 ملین ڈالر درکار ہیں، تا کہ وہ اس سال پاکستان سے افغانستان جانے والے چار لاکھ مہاجرین کو وہاں آباد ہونے میں مدد دے سکے۔ یاد رہے کہ ایجنسی نے اپریل میں بھی مزید 15 ملین ڈالر کی فرمائش کی تھی۔ دراصل اس سال پاکستان سے جانے والے افغان مہاجرین کی تعداد اچانک بڑھ گئی، گو افغانستان میں حالات اچھے نہیں، تاہم افغان اپنے وطن واپسی کو ترجیح دے رہے ہیں۔ 2002ء سے اب تک پاکستان اور ایران سے پچاس لاکھ افغان واپس ملک آ چکے ہیں۔

ایران سے تعلقات نہ بڑھاؤ

پچھلے دنوں عراقی وزیراعظم نوری المالکی تہران گئے، تو امریکی صدر بش کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ اسی لیے موصوف نے عراقی وزیراعظم کو انتباہ کیا ہے کہ وہ ایرانیوں کے زیادہ قریب مت جائیں۔ ایرانیوں نے عراقی وزیراعظم کو بتایا ہے کہ وہ ہر مرحلے میں ان کا ساتھ دیں گے، مگر عراق میں امن تبھی قائم ہو سکتا ہے جب غیر ملکی حملہ آور نکل جائیں۔

1980s, doing four-fifths of its business through murabaha, and only 1 percent through equity transactions.

What the "Islamic" label might mean is left to the beholder. The sharia scholars make it their business to pronounce only upon the letter of the law. Like legal practitioners everywhere, they focus on the technicalities. The spirit, being intangible, tends not to cloud their rulings. The leading critics of this inconsistency are political Islamists themselves. Majed Jarrar, a personable young man who studies electrical engineering, wears a long beard, and is keen to discuss his faith, recently opened an account with FIBE here in Cairo, only to let it sit empty. He's been investigating whether "it's actually Islamic or not," and he doesn't like what he's finding.

When I asked him about the sort of innovation that, for example, Hussein Hassan at Deutsche Bank is involved in, Majed scoffed. Recalling a similar campaign by a Gulf-based Islamic financial house ("creative Islamic Solutions" was the slogan), Majed argued that sharia law is less about innovation than it is about a return to the ways of seventh-century Arabia.

Despite the zeal of purists like Jarrar, an entire banking sector without debt would be far too unstable. Such a system has never had to exist—medieval Islam had extensive regulations governing trade relations and individual contract law, but there was no banking, so there were no banking rules.

While no one I interviewed argued that sharia-compliant financing directly retards economic and social development, there was agreement that it does much less than the original rhetoric claimed. Not only are working-capital loans, critical to many small businesses, rare, but also sharia-compliant transactions tend to be short-term.

Still, there's something reassuring about the way that the rational profit motive trumps strict ideology. The willingness to put profit first is, it turns out, the real shared value that links Islamic and Western civilizations.

(Courtesy:The American)

توجہ طلب

کیا آزادی کا یہی مطلب ہے؟

مومنہ ذیشان دانش

بلاشبہ پاکستان کا شمار دنیا کے آزاد ممالک کی فہرست میں ہوتا ہے۔ لیکن پاکستان کو آزاد ملک قرار دینا واقعی ایک مشکل ترین کام ہے کیونکہ پاکستان کی باگ ڈور بظاہر مسلمان حکمران کے ہاتھ میں نظر آتی ہے لیکن یہ محض ایک کٹھ پتلی تماشا ہے، جس کی ڈوراَن دیکھے ہاتھوں میں ہے۔ پاکستانی عوام کو اپنی آزادی کے ختم ہونے کا احساس کیوں نہیں ہے، اس کا سادہ سا جواب تو یہ ہے کہ پاکستانی عوام اس عظیم الشان نعمت یعنی آزادی کا جس طرح فائدہ اٹھا رہی ہے، جس کی وجہ سے انہیں محکوم ہونے کا احساس بالکل نہیں ہے۔

پاکستانی عوام شاید آزادی اس کو کہتی ہے کہ کھلے عام گانے بجائے جائیں۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ہمسائے میں کوئی بزرگ یا بیمار تو نہیں۔ یہ آزادی نہیں ہے بلکہ آزادی کا غلط استعمال ہے۔

ہمارے ملک کے باسیوں نے جس طرح آزادی کا فائدہ اٹھایا ہے شاید ہی کسی نے اٹھایا ہو۔ سڑکوں کے عین وسط میں موجود گڑھے، ہر دوسری گلی میں کوئی گٹر کھلا ہوا ہے یا کسی نے پائپ بچھانے کے لئے گڑھا کھودا ہوا ہے۔ سب اپنی جگہ آزاد ہیں۔ گڑھے کھودنے والے کو کسی کا کوئی ڈر نہیں، کوئی فکر نہیں، کسی کا نقصان ہوتا ہے تو ہوتا رہے، ہمیں اس سے کیا؟

خود حکومت کے اہلکار سوئی گیس کے گڑھے کھود کر کئی کئی مہینے غائب ہو جاتے ہیں کہ اتنے عرصے میں گڑھا خود ہی شرم کے مارے دھول مٹی سے بھر جاتا ہے، لیکن آزاد عوام کو کوئی پروا نہیں۔ ہمارے آزاد عوام، گڑھے کے پاس سے گزرتے ہوئے بولیں گے ضرور، مگر کریں گے کچھ نہیں۔ آخر یہ کام کس کا ہے؟ آزاد عوام کا یا آزاد حکومت کا؟ ہمارے ملک میں ان کاموں کی اس قدر آزادی ہے کہ اس کی کہیں مثال نہیں۔

شادی بیاہ کے موقع پر کسی سے پوچھنے کی زحمت اٹھائے بغیر سڑک روک لیتے ہیں۔ کون کہنے والا ہے؟ یقیناً کوئی نہیں کیونکہ ہم آزاد ہیں، کسی کا راستہ رُکتا ہے تو رُکا رہے، ہمیں اس سے کیا؟

دیکھنے میں آتا ہے کہ جب لوگ اپنے گھر بناتے ہیں تو دوسرے لوگوں کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ مٹی، ریت، اینٹوں اور ٹرالوں کی بھرمار سے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ کچھ کہا جائے تو بے حسی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہم آزاد ہیں۔ یہ تو ہمارے آزاد ملک کی آزاد عوام کے کارنامے ہیں۔ جب یہی آزاد لوگ ولایت جاتے ہیں تو تھوک یا کچرا وغیرہ پھینکتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں کوئی کچھ کہہ نہ دے۔ جبکہ انہی آزاد شہریوں کو یہاں کوئی کچھ کہہ کر تو دیکھے۔

آزاد ملک کے آزاد کام کی ویسے تو کئی ''لازوال'' مثالیں ہیں۔ لیکن یہاں کچھ مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ باقی مثالوں پر سوچنے کا کام آزاد شہریوں پر یہ سوچ کر چھوڑ دیا ہے کہ وہ خود کو آزادی کا پابند بنائیں گے اور آئندہ اس آزادی کا خیال رکھیں گے جو بیش بہا جانوں، مالوں اور عزتوں کی قربانیوں کے بعد حاصل کی گئی تھی، جن قربانیوں کے واقعات سن کر دل خون کے آنسو روتا ہے اور جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اتنی پاک روحوں کی قربانیوں کے بعد یہ ملک پاکستان بنا۔ کاش! ہم ان قربانیوں کی لاج رکھ سکیں!

دعائے مغفرت

☆ تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے مبتدی رفیق جناب شیخ علاؤ الدین مظفر آباد میں حادثہ میں وفات پا گئے ہیں۔

☆ حلقہ سرحد جنوبی سے تعلق رکھنے والے رفیق تنظیم کی والدہ صاحبہ بقضائے الٰہی وفات پا گئیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ رفقاء و احباب سے دُعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

mainstream bank to build a halal subsidiary, which in the late 1990s began to attract more capital than its chief domestic competitor, the Faisal Islamic Bank.

Oil prices and religious fervor are both on the rise again. This time, Western financial firms have noticed that you don't have to be Islamic to bank in accordance with sharia. All you need is a board of religious scholars to approve your operation. Muslim is as Muslim does.

The Islamic world witnessed the development of corporate contract law and the European banking system from afar.Hussein Hassan of Deutsche Bank is an example of the sort of expert required. He structures specialized Islamic bonds, or sukuk. For a bond to qualify as sharia-compliant, there must be an underlying asset backing it. One cannot simply issue bonds to raise money, the way it's been done elsewhere for centuries, in return for a promise of a fixed rate of return. To be Islamic in nature, the securities that look like bonds must represent fractions of an equity asset, rather than fractions of a loan.

According to sharia scholars signing off on the prospectuses, the practices of the multinationals are fully Islamic. That is good news for corporations that want to raise money from Muslims, and for the observant clients themselves. But the potential clientele is by no means captive. As Hassan put it to me, "money always looks for the best deal." if Islamic finance couldn't provide results close to those of secular institutions, it wouldn't exist.

Khalid Ikram, who headed the World Bank's operations in Egypt in the late 1990s, looked into the performance of Faisal Islamic Bank of Egypt (FIBE) back during the early boom days. It turned out that, despite the bank's citing "religious fervor" to him as the reason for its growth, Coptic Christians made up about 10 percent of the bank's clients, just as they do of the country's population. When returns dropped, so did investment and market share. Egyptians with foreign capital generally preferred to keep their cash overseas, even though the returns there were less than the roughly 20 percent returns FIBE was promising on current accounts. The greater security of foreign deposits made up for their lower rate of return. The rational profit motive never lost its place as the key factor in investor behavior.

Timur Kuran, professor of economics and law at the University of Southern California and author of Islam and Mammon: The Economic Predicaments of Islamism, points out that investing in sharia-compliant fashion doesn't just buy you decent returns—it can also buy political legitimacy. "Islamic finance didn't come into its own until the 1970s. Why during the oil boom? Huge amount of assets, petrodollars, were accumulating in the sheikdoms and with the Saudis. These regimes were considered quite illegitimate, and there were a lot of opposition movements, so they wanted to legitimize their regimes and invest the money at the same time.... They could claim that they were promoting Islam and avoiding interest."

Since the inception of Islamic economics as a distinct discipline in the 20th century, it has always been held up as a champion of ethical development. Islamist writers such as Sayyid Qutb and Sayyid Abul-A'la Maududi envisioned Islamic finance as the economic arm of a new, sharia-guided political order. Free of the scourge of interest, the instrument by which fat-cat colonial and imperial capitalists make money from money, Islamic financial institutions would effectively become private equity or venture capital firms, providing sorely needed investment and support for the region's economy. By investing in Islamic finance, you weren't just being pious--you were aiding development and helping the poor as well.

But the post-capitalist utopia that reliance on these instruments was meant to inaugurate was dead on arrival. Those involved in the first wave of Islamic banks realized that equity financing does not make for a stable banking sector, and, after a series of shocks and bad investments, they became very conservative. It was a race to the loopholes—a search for means of sharia compliance less risky than straight-out equity investing.

It's big business, getting bigger, and those who hesitate to enter it now risk suffering an expertise deficit later.The chief loophole was murabaha. Let's say that you, a small businessman, wish to go into business selling cars. A conventional bank would examine your credit history and, if all was acceptable, grant you a cash loan. You would incur an obligation to return the funds on a specific maturity date, paying interest each month along the way. When you signed the note and made the promise, you would use the proceeds to buy the cars—and meet your other expenses—yourself. But in a murabaha transaction, instead of just cutting you the check, the bank itself would buy the cars. You promise to buy them from the bank at a higher price on a future date –like a futures contract in the commodities market. The markup is justified by the fact that, for a period, the bank owns the property, thus assuming liability. At no point in the transaction is money treated as a commodity, as it is in a normal loan.

But here's the catch: most Muslim scholars agree that there is no minimum time interval for the bank to own the property before selling it to you at the markup. According to Timur Kuran, the typical interval is "under a millisecond." The bank transfers ownership of the asset to its client right away. The client still pays a fixed markup at a later date, a payment that is usually secured by some sort of collateral or by other forms of contractual coercion. Thus, in practice, murabaha is a normal loan.

Since murabaha must be asset-based, however, it can't help a small businessman who needs a working-capital loan, for example, to provide cash on hand to meet payroll or other expenses. To get such capital from an Islamic financial institution, an entrepreneur would have to sell the bank an equity interest in his business. This is far riskier for the bank and thus much harder to obtain.

The experts tell me that every Islamic bank has at least three-quarters of its investments structured as murabaha. Even the inaptly named Islamic Development Bank was, as of the mid-

Vol: 16 Regd. No. LRL -50 No. 31

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

By Aaron MacLean

Islamic Banking: Is It Really Halal?

Muslim scholars say the Qur'an prohibits collecting interest on loans. But many banks, both global and local, have found clever ways to meet religious strictures. It's a system that may be hypocritical, but also profitable.

The coverage can be a little bit breathless: "La finance Islamique en plein boom," Le Figaro reported in September. Yes, Islamic banking, structured along the lines that religion decrees, is in full boom. But is it really banking? And is it really kosher?

Islam prohibits the payment of interest on loans, so observant Muslims require specialized alternative arrangements from their banks. Many of the largest global financial companies, including Deutsche Bank and JPMorgan Chase, have established thriving subsidiaries that strive to meet these requirements. As a result, optimists speculate that the common pursuit of lucre—divinely sanctioned, filthy, or otherwise—will bring bickering civilizations together. They may be right.

The Islamic aversion to interest collection comes from the Qur'an. Not that the term "interest" is ever used: the Arabic injunction forbids something called riba. The Qur'an offers no exact definition of what riba meant in seventh-century Arabia, the time and place of the Prophet Mohammed—let alone what the term should mean today. In particular, the passages are ambiguous on the question of whether riba refers to all kinds of interest collection, or only usurious interest—that is, lending practices that are, according to some ill-defined standard, unfair and exploitative. What is clear in the divine financial critique is that, whatever riba may be, Jews are doing it. At one point God warns that they will face a "painful day of doom" if they keep it up.

This ambiguity was a practical problem for the early Muslim jurists, who formalized religious rules in a code called sharia. They were divided on the subject, but as time went on, the weight of consensus came to rest on the side of prohibiting all interest collection.

The financial instruments that 20th-century Islamic theorists championed were updated versions of medieval commercial instruments, still known in the Islamic financial sector by their Arabic names: in addition to bonds, known as sukuk, there are profit-and-loss sharing instruments known as musharaka or mudaraba, Islamic leases known as ijara, and a commercial trade instrument called murabaha, the flexibility of which has made it extremely popular among Islamic financial firms.

Banking, as an institution, evolved at the same time as the unprecedented economic growth in Europe over the past 500 years. That growth was made possible in part by the codification, in the 12th century, of a distinction between usury and interest in the Christian tradition.

The Islamic world witnessed the development of corporate contract law and the European banking system from afar. A mixture of traditional arrangements and, later, imported Western practices prevailed in Muslim countries. But it wasn't until the 1960s that anyone tried to combine the two, governing a modern bank according to Islamic law.

You don't have to be Islamic to bank in accordance with sharia. All you need is a board of religious scholars to approve your operation.Islamic financial institutions, the argument went, would boost the economic development of Muslim societies. The fraternal style of Islamic banking—with its emphasis on equity financing rather than lending—would enhance social responsibility. In practice, however, Islamic finance has had to bend to the same pressures as any other kind of finance. Social, religiously oriented investment in the development of the Islamic world is something people are more interested in publicly championing than personally doing. Khalid Ikram, who represented the World Bank in Egypt, says of Islamic banking, "it hasn't had a lot to do with development."

Pinning down the growth of Islamic banking is a challenge. Whether a banking system truly counts as halal—that is, compliant with the laws of sharia, or, in another religious context, kosher—is a religious question, hard for accountants to answer. Take Iran: should the country's whole banking system, which is nominally Islamic, be counted as part of the sector even though many experts raise questions about its legitimacy?

The numbers I found were anecdotal. Rodney Wilson, professor of economics at Durham University in Britain and editor of the essay collection The Politics of Islamic Finance, estimates total assets within halal banking systems at just under $500 billion. That's roughly the size of Wells Fargo Bank, America's fourth-largest. Hussein A. Hassan of Deutsche Bank predicts that Islamic finance will be the world's fastest-growing banking sector for years, based on what he calls a modest estimate of 20 percent annual increases in deposits.

So it's big business, getting bigger, and those who hesitate to enter it now risk suffering an expertise deficit later. The number of professionals trained to structure sharia-compliant products, and of religious scholars qualified to certify them, is small enough to be already causing problems. Governments are getting in the game, too: Japan is planning to become the first non-Muslim country to issue sharia-compliant bonds; the UK, Gordon Brown announced last summer, is revising its laws to make London the "gateway" for Islamic finance in Europe; and Malaysia has proposed substantial tax incentives in its 2007 budget for its Islamic financial sector.

Deutsche Bank, Chase, and HSBC, the giant London-based financial institution with an extensive presence in Asia, have all entered the sector within the last ten years. Their moves coincide with rising oil prices, echoing a phenomenon three decades ago. When the 1970s oil boom gave Muslims and their governments wealth that seemed barely countable, Islamic financial institutions bloomed: the Islamic Development Bank (1975), the Kuwait Finance house (1977), the Faisal Islamic Bank of Egypt (1977), the Jordan Islamic Bank (1978), and others. In 1979, Bank Misr, a conventional financial house in Egypt, became the first